قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیقِ دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اداریہ

پیغام

اپنے چاہنے والوں کے نام
بطور خاص
ربیع الاوّل کے لئے

زندگی کا ٹیڑھا ٹیڑھا راستہ نصف صدی سے کچھ زائد پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ نشیب و فراز سے پُر اور سینکڑوں خطرناک موڑوں والا راستہ اُف اللہ! کتنا تھکا دینے والا راستہ ہے حیرت ہے ہم کیسے گذر آئے

کتنے دوستوں نے، کتنے عزیزوں نے ہمارے ساتھ سفرِ حیات اختیار کیا۔ مگر وہ اب ہمارے اردگرد نہیں ہیں ..... کھو گئے راستے کے پیچ و خم میں، جو ہمارے آگے تھے۔ وہ بھی گذر گئے۔ مگر انہیں تو گذرنا ہی تھا۔ ایسے ایسے حسین چہرے جو ہمارے بعد اس وادی میں اُترے، ہم نے انگلی پکڑ کر انہیں چلنا سکھایا وہ کہاں ہیں؟؟ اُن میں سے کتنے ہیں ہمارے ساتھ؟ تھوڑے سے یہ تو نئے مسافروں نے خانہ پُری کر رکھی ہے۔ ورنہ کتنا بڑا خلا پیدا ہو جاتا۔ اور نہ جانے ہماری کیا کیفیت ہوتی ..... شاید ہم پاگل ہو چکے ہوتے۔ اللہ کریم کا شکر ہے۔ کہ ان نو واردوں کی معصوم مسکراہٹوں اور شرارت سے یکسر خالی شرارتوں کو ہمارا سہارا بنا دیا۔ لیکن رستے کی ہولناکیاں اُن کی بھی تاک میں ہیں۔ کیا جانیں کس کو کب اُچک لیں۔ کوئی خبر نہیں۔

یہ جانے والے کیا ہوئے؟ کتنے پیارے، کتنے محبوب تھے ہمیں۔ اب ان کی مٹی کیوں ہمارے قدموں کی آہٹ کو ترس گئی ہے۔ ان کی قبریں ہماری بے رخی پر خاک بسر ہیں، آخر کیوں؟ کبھی سوچا آپ نے؟ شاید اس لئے کہ وہ ہمیں بجز داغِ مفارقت کچھ دے نہیں سکے۔ اور داغِ مفارقت آگے منتقل نہیں ہوا کرتا۔ جس دل میں ہو۔ وہاں جب کبھی مزید خراش لگتی ہے۔ تو رِسنے لگتا ہے۔ ورنہ مرورِ زمانہ کے نیچے دبا رہتا ہے اور پھر ساتھ قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ موت، ایسی موت، یہ بیکسی و بیچارگی کی موت! اللہ کریم اس سے پناہ میں رکھے آمین!! میں یہ موت نہیں مرنا چاہتا۔ اسی لئے تو آپ کو یعنی تمہیں آواز

دے رہا ہوں ..... میرے پاس ایک دولت ہے - ایک نعمت، بہت ہی کمیاب، اگر نایاب کہہ لو - تو بھی حرج نہیں - ایک ایسی دولت جو قابلِ انتقال ہے - اور ناقابلِ فراموش بھی -

کہتے ہیں - ہر شخص کے جذبات اپنے ہوتے ہیں - نہ چھینے جا سکتے ہیں - نہ فنا کئے جا سکتے ہیں - اور نہ کوئی دوسرا اپنے جذبات کسی پر مسلط کر سکتا ہے - مگر ایسا نہیں ہے - یہ ایسے لوگوں کی رائے نظر آتی ہے جس کی نگاہ صرف اپنے گرد و پیش پر اٹک گئی ہے - اگر کچھ دور دیکھتے تو انہیں یہ رائے بدلنا پڑتی - کہ اسی راہِ حیات میں کچھ مسافر ایسے بھی تھے جنہیں منزل مل گئی - اور جہاں جہاں ایسی ہستیوں نے رہِ حیات کو چھوڑا - وہیں اس راستے کے سنگِ میل بنتے چلے گئے - اور یہی اس راستے کی پیمائش بھی ہے - اور پہچان بھی ..... میں نے بھی ایک سورج کو سرِ مقتل پایا تھا، اس کی روشنی، اس کی گرمی اور اس کا رقصِ بسمل اسی راہ پر، ہاں یقیناً اسی راستے پر جس کی تاریکی اور سخت موڑوں نے ہجومِ خلق کو تھکا دیا ہے - جس اتار چڑھاؤ مسافروں کے حوصلے چھین لیتے ہیں - اسی راہ پر جس نے اُسے جوش و جذبہ لٹاتے دیکھا - راہِ حیات کی ایک طویل مسافت یعنی ربع صدی کا لمبا راستہ اُن کی گردِ پا میں کاٹا - کمال ہے گرد میں تو اندھیرا ہوتا ہے، دھندلاپن ہوتا ہے - مگر یہ تو روشن روشن تھی - ٹھنڈی ٹھنڈی اور میٹھی میٹھی روشنی، راستہ روشن، آنکھیں روشن، دل روشن اور ماحول روشن ایک کسک، ایک میٹھا میٹھا درد لئے ہوئے، ایک سوز اور تپش جس میں جلنا مزہ دے رہا ہے - ہم نے دنیا کے صحرا میں قتلِ خورشید کا منظر ہی نہیں دیکھا بلکہ اُس کی کرنوں سے نئے خورشید پھوٹتے دیکھے ہیں - جیسے وہ سورج جو اپنے پیچھے چودھویں کا چاند لئے ہوتے ہوتا ہے - جب ڈوبتا ہے تو کرنیں سمیٹ نہیں لیتا - بلکہ تب تک تاریکی سے برسرِ پیکار رہتا ہے جب تک ماہِ تاباں پھر سے عالم کو منور نہیں کر دیتا -

اور شام کا لہو رنگِ شفق دودھیا روشنی میں نہا جاتا ہے - یہ روشنی اس سورج کی ہوتی ہے - جو پھر سے صبح طلوع ہونے تک اندھیروں کو چین نہیں لینے دیتی - ہم نے اُسی سورج کو دیکھا ہے اور ان تمام روشنیوں کا مرکز روشنی میں آکر ہی تلاش کیا جا سکتا ہے - اندھیروں

میں روشنی کی خبر کہاں !

ایک ایسا منبعِ انوار جس نے روشنی اور گرمی ہی نہیں ، سوزِ عشق بانٹا ہے ۔ محبت لٹائی ہے ۔ اور جذبوں کے دریا بہا دئے ..... حسین اور قیمتی جذبے ۔ جس کے وجود اقدس کے ساتھ خشک لکڑی مس ہوئی ، تو اس کی خشک رگوں میں محبت کا جنوں اُبھر آیا ۔ ہجر و فراق اور وصال کی کیفیتوں سے آشنا ہوگئی ۔ پتھروں نے دیکھا ۔ تو کلمہ پڑھ اٹھے ۔ درختوں نے سلامتی بھیجی ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ سب سورج اس کی ضو فشانیوں سے بنے ہیں ۔ میں بھی ایک ڈھیر تھا مٹی کا ۔ سرِ راہ پڑا تھا ۔ مرورِ زمانہ سے روندا ہوا کچلا ہوا ۔ کہ اِک مسافر کا گذر ہوا ۔ اُس کا پاؤں بھی پڑا مجھ پہ ..... اور پھر ..... چھوٹ نہ سکا ۔ ایک لذت ، ایک لطف ، ایک رنگ ایک حُسن تھا جو اس کے پاؤں کی گرد بننے میں ملا ۔ اور ہم اسی راہ کی غبار ہو کر رہ گئے ۔ "اب وہ سورج ڈوب گیا ہے" یہ وہ لوگ کہتے ہیں ۔ جنہوں نے اس سے روشنی پا کر رہِ حیات کے چند قدم تو آسانی سے طے کر لئے ۔ مگر تپش اور جنوں سے ناآشنا رہے ۔ وہ سچے ہیں ۔ اُن کے لئے ڈُوب گیا ۔ مگر آؤ اور دیکھو ، ان دلوں اور سینوں کو جنہوں نے اس کی کرنیں سمیٹی تھیں ۔ ان کی تو ہر دھڑکن میں زندہ ہے ۔ اور روشن بھی ہے ۔ آنے والو ! ہم تو جانے کی تیاری میں ہیں ۔ اگر فرصت پاؤ ۔ تو آؤ تمہیں سرِ مقتل لے چلیں ۔ قتلِ خورشید کا نظارہ کرلو ۔ تمہیں ڈھنگ سکھا دیں تو اس کی کرنیں سمیٹ لو ۔ میٹھا میٹھا درد ، خوبصورت سی کسک اور ایک پُر لطف بے چینی نہ دے دوں تمہیں ۔ !!

کہ یہ امانت ہے میرے پاس ۔ موت کی تاریکی مجھے نہیں نگل سکے گی (انشاء اللہ) اسی راستے میں ، ہاں اسی سنگلاخ راستے میں روشنی کی ایک لکیر ہی سہی ۔ مگر رہیں گے ضرور اور تا ابد ۔ ..... کتنے دلوں میں جھانکنا ہوگا ..... کس کس کے ساتھ چلنا ہوگا ۔ خدا جانے کیا تم میرا ساتھ دو گے ۔ میری مدد کرو گے ۔ مجھے اپنے دل میں اپنے قریب جگہ دو گے ۔ کہ مجھے تم سے محبت ہے ۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں ۔ بعد میں آنے والوں کو تمہاری وساطت سے ملنا چاہتا ہوں ۔ کیا ایسا کرو گے ۔ ؟

آؤ، تمہیں قتلِ خورشید کے منظر پہ صحرا میں کیا بیتتا ہے؟ وہ بھی دکھا دوں اور شاعر کو بھی سمجھا دو۔ کہ تھا تو بہت کچھ۔ مگر شاید آپ نے اس طرف دیکھا نہیں ہوگا۔ لیکن شاید تمہارے پاس فرصت نہ ہو۔ ربع صدی تو میں نے خورشید کی تپش جھیلی۔ تب جا کر ایک حرارہ سا بنا۔ پتہ نہیں تم کچھ بن بھی پاؤ گے یا نہیں۔ پتہ نہیں مجھے زندہ رکھ سکو گے یا نہیں۔ کیا تم سب کے ہوتے، کیا تمہارے ہوتے ہوئے مجھے بے بس صحرا میں قتل ہونا ہے اور بس! نہیں نہیں، تم ایسے نہیں ہو۔ تم میری مدد کرو گے۔ اور یہ ربیع الاوّل جس خورشید گر کی آمد کا پتہ دیتا ہے۔ بھلا تم اس سے جدا ہو جاؤ گے۔ ہرگز نہیں۔ تم سے یہ نہ ہو سکے گا۔

آؤ، تمہارے دل میں چراغاں کر دوں، تمہارے دلوں میں جلوس نکلیں جذبوں کے، محبتوں کے، عشق کے، چھوڑو یار۔ نفل کو چھوڑو۔ آؤ سچ مچ کی روشنیاں جلائیں اور اس مطلعِ انوار کی طرف بڑھیں جہاں سے سورج کا اک جہاں طلوع ہوتا ہے۔

فقیر محمد اکرم عفی عنہ
سرپرست اعلیٰ

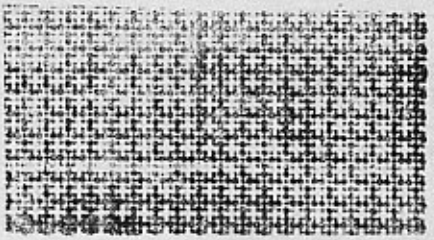

تصوف اور علم غیب

صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کو ذکر الٰہی، مجاہدہ اور ریاضت کے ثمرہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکاشفہ اور مشاہدہ کی جو نعمت عطا ہوتی ہے تاریخِ تصوف اس سے بھری پڑی ہے مگر کچھ لوگ جنہیں ان مقدس ہستیوں سے خدا واسطے کا بیر ہے ان کے اس وصف کا انکار کرنے کے لئے راہیں نکال لیتے ہیں۔ ان کی اس کوشش کی ایک صورت یہ سوال ہے کہ قرآن کریم نے علم غیب کی مخلوق سے نفی کی ہے۔ صرف رسولوں پر اظہار فرمایا ہے اور رسولوں کے بغیر کسی کو اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ الخ اور کشف قبور ہونا علم غیب ہی تو ہے اور کشف قبور کا دعویٰ کرنا علم غیب کا دعویٰ کرنا ہے۔ اور یہ کفر ہے یعنی کشف ہی شرک ہے۔

— ازافادات —

شیخ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ

اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے۔ اس لئے ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں

تعریف علم غیب :- لا یعرف بالحواس ولا ولا ببداھۃ العقل۔

یعنی علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو حواس ظاہری و باطنی اور عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ باخبار اللہ یا باعلام اللہ یا باخبار الرسول حاصل ہو۔ جو علم حواس یا عقل سے حاصل ہو گیا وہ غیب نہ رہا۔

آیت کا مفہوم :- اس میں علم یقینی قطعی کی نفی

ہے۔ جو انبیاء کو علم بذریعہ وحی وغیرہ دیا جاتا ہے۔ علم ظنی کی نفی نہیں ہے اور علم قطعی استقلالی کی نفی ہے غیر استقلالی کی نفی نہیں۔ اس علم کی نفی ہے جس سے کلیات و جزئیات کا احاطہ ہو جائے جزوی واقعات کی نفی نہیں ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص استقلالی، قطعی یقینی علم کا مدعی ہو تو وہ کافر ہے۔ یعنی ایسا شخص علم ذاتی کا قائل ہے کسی ذریعہ، واسطہ اور وسیلہ کا قائل نہیں ہے مگر جو شخص اس بات کا بھی منکر ہو کہ جزوی واقعات کا علم کسی واسطہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا تو اسے اپنے متعلق خود سوچنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے؟ مثلاً حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ملاقات کا ذکر قرآن مجید میں تفصیل سے موجود ہے۔ یہ جزوی واقعات حضرت خضرؑ پر منکشف ہوئے مگر حضرت موسیٰؑ پر نہ ہوئے تو کیا اس کے انکشاف کو علم غیب کہیں گے؟

علامہ شامی نے رسالہ "الحسام الهندی لنصرة مولانا خالد النقشبندی" ۲ : ۳۱۳ پر ان دو آیتوں پر بحث کی ہے۔

اوّل : فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ الخ

دوم : وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ الخ

فرماتے ہیں

ولا ينافي الآيتان المذكورتان في السؤال لان علم الانبياء والاولياء انما هو باعلام الله تعالى لهم وعلمنا بذلك انما هو باعلامهم لنا وهذا غير علم الله تعالى تفرد به تعالى وهو صفة من صفاته القديمة الازلية الدائمة الابدية المنزهة عن التغير وسمات الحدوث والنقص المشاركة والانقسام بل هو علم واحد علم به جميع المعلومات كلياتها وجزئياتها ما كان منها وما يكون ليس بضروري ولا كسبي ولا حادث بخلاف علم سائر الخلق اذا تقرر هذا فعلم الله تعالى المذكور هو الذي تمدح به واخبر في الآيتين المذكورتين بانه لا يشاركه احد فيه ولا يعلم الغيب الا هو وما سواه ان علموا جزئيات منه فهو باعلامه واطلاعه لهم وحينئذ لا يطلق انهم يعلمون الغيب اذ لا صفة لهم يقتدرون على الاستقلال بعلمه ثم اعلام الله تعالى للانبياء والاولياء فمن لا يستلزم محالا بوجه فانكار وقوعه عناد وضد ومن البداهة انه لا يؤدي الى مشاركتهم له تعالى فيما تفرد به من العلم الذي تمدح به واتصف به في الازل وما يزال۔

"یہ دو آیتیں جو سوال میں مذکور ہیں منافی نہیں۔ کیونکہ انبیاء اور اولیاء کو علم ہوتا ہے یہ باعلام اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں مطلع فرماتا ہے۔ اور ہمیں اس امر کا علم انبیاء اور اولیاء کے بتانے سے ہوا۔ یہ علم۔ باری تعالیٰ

کے علم کے سوا ہے جس میں ذات باری منفرد ہے۔
علم باری اس کی صفات سے ایک صفت ہے جو قدیم ہے ازلی ہے ابدی ہے جو تغیر و تبدل، حدوث، نقص، مشارکت اور تقسیم سے پاک ہے۔ بلکہ وہ علم واحد ذاتی ہے اس ایک علم سے تمام معلومات کلیات و جزئیات ماکان و مایکون کو جانتا ہے جو نہ ضروری ہے نہ کسبی ہے نہ حادث ہے بخلاف علم تمام مخلوقات کے۔ جب یہ مقرر ہو گیا تو علم باری تعالیٰ جس کا ذکر ہوا جس علم سے باری تعالیٰ کی مدح کی جاتی ہے اس علم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ علم غیب ہے جس پر وہ کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس علم قدیم ذاتی کے بغیر جزوی واقعات کا علم جو انبیاء اور اولیاء کو ہو جاتا ہے وہ خود اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے سے ہوتا ہے اس لئے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس پر علم غیب کا اطلاق نہیں ہوتا۔ انبیاء اور اولیاء قدرت نہیں رکھتے کہ استقلالی علم پر قادر ہوں پھر جو علم انبیاء اور اولیاء کو دیا گیا اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ اس جزوی علم کا انکار کرنا محض عناد اور ضد کی وجہ سے ہے۔ اس جزوی علم سے علم باری میں شرکت لازم نہیں آتی ہے۔ جس علم میں وہ منفرد ہے۔ جس علم سے اس کی مدح کی جاتی ہے۔ جس علم سے وہ ازل میں متصف ہوا ہے۔"

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ علم غیب کی تعریف کیا ہے اور اس کا اطلاق کس علم پر ہوتا ہے۔

امام رازیؒ نے یہی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے

اعلم ان اللہ تعالیٰ لذاتہ عالم و انہ عالم بکل المعلومات فی کل الاوقات بعلم واحد وذلک العلم غیر متغیر وذلک العلم لازم لذاتہ من غیر ان یکون موصوفا بالحدث او الامکان والعبد لا یشارک الرب الا فی السدس الاول وھو اصل العلم ثم ھذا السدس بینہ وبین عبادہ نصفان۔

(تفسیر کبیر : جلد ۶ : صفحہ ۶)

"خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ لذاتہ عالم ہے تمام معلومات کا عالم ہے۔ تمام اوقات میں عالم ہے۔ علم واحد سے تمام معلومات کو جانتا ہے۔ یہ علم متغیر نہیں ہوتا۔ یہ علم ذات باری کو لازم ہے۔ علم باری تعالیٰ حدوث و امکان سے پاک ہے۔ انسان بلکہ تمام ذی عقل مخلوق رب العلمین کے علم میں شریک نہیں سوائے اس کے نفس علم یا مطلق علم میں بھی صرف اسم علم میں اشتراک ہے حقیقت علم میں شریک نہیں نہ ذات علم میں شریک ہیں۔ پھر یہ مطلق علم بھی باری تعالیٰ اور مخلوق میں نصف نصف ہے۔"

امام رازیؒ کی اس مثال کی تفصیل یوں سمجھئے کہ علم کے کل چھ حصے کیجئے۔ پانچ حصے علم باری تعالیٰ ہے چھٹے حصے میں پھر نصف کے برابر گویا باری تعالیٰ کا علم ہے اور نصف باقی پوری کائنات میں تقسیم کرو۔ مخلوق کو ریت کے ذرے کے برابر بھی شاید بنے۔ پھر وہ ذرہ بھر علم جو مخلوق کو عطا ہوا اس کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق

کا علم۔

(۱) ذاتی نہیں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

(۲) مخلوق اس علم پر خود قادر نہیں۔

(۳) یہ علم حادث ہے خواہ حصولی ہو یا حضوری۔

(۴) اس علم میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

(۵) یہ علم کسی واسطہ یا ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً وحی، کشف، الہام، خواب، تجربہ وغیرہ۔

(۶) مخلوق ایک علم سے تمام کائنات کو نہیں جانتی اور ہر وقت نہیں جانتی۔

اس کے برعکس خالق کے علم کی خصوصیت یہ ہے کہ :۔

(۱) علم باری تعالیٰ لذاتہ ہے۔ کسی کا عطا کردہ نہیں۔

(۲) حضوری قدیم ہے۔ حصولی نہیں جیسا اس کی ذات قدیم ہے۔

(۳) علم باری تعالیٰ میں نقص یا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ مخلوق کا علم گھٹتا بڑھتا بدلتا رہتا ہے۔

(۴) باری تعالیٰ اس علم پر خود قادر ہے۔ مخلوق میں صفتِ قدرت مفقود ہے وہ محتاج ہے۔

(۵) باری تعالیٰ ایک علم سے تمام معلومات کا عالم ہے۔

(۶) باری تعالیٰ تمام اوقات میں تمام معلومات کا علم رکھتا ہے۔

خالق اور مخلوق کے علم کی ان خصوصیات کو سامنے رکھیں اور سوچیں کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ مخلوق اپنے خالق کے علم میں شریک ہے اور اگر کوئی کہہ دے تو اس کے کفر میں شک کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے۔

علمائے ظواہر کا مذہب اور عقیدہ واضح طور پر سامنے آگیا۔ اب صوفیاء کرام کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ذات باری کی طرف علم حصولی کی نسبت کرنا کفر ہے اسی طرح علم حضوری حادث کی نسبت کرنا بھی کفر ہے۔ رہا علم حضوری قدیم تو صوفیہ کے نزدیک یہ بھی درجہ اتحاد و عینیت میں ساقط ہے۔ حضوری قدیم بھی منتبین کو چاہتا ہے اور عینیت و اتحاد ذاتی اس کے منافی ہے۔ اس کی ذات قدیم، اس کا علم قدیم اور عین ذات باری ہے تو پھر درجہ حضور بھی ساقط ہوا۔

کشف قبور یا کلام بالروح علم کا واسطہ یا ذریعہ ہے جیسے الہام و القاء ان واسطوں سے جو علم حاصل ہوا وہ پہلے نہ تھا۔ اس لئے کشف قبور سے جو علم حاصل ہوا وہ حادث بھی ہوا اور حصولی بھی اور اوصاف باری تعالیٰ میں اتحاد و عینیت ہے تو شراکت کیسے لازم آئی اور شرک کا فتویٰ کہاں سے ٹپک پڑا۔ اشتراک ہے تو صرف لفظی اور نام میں نہ کہ ماہیت اور ذات میں اس لئے کشفِ قبور یا کلام بالروح کو شرک قرار دینا محض جہالت اور نری حماقت ہے۔ یہ ہمارے حال کے ماہرینِ شغل تکفیر ایک اور پینترا بدلتے ہیں کہ روح سے اخذِ فیض تو استمداد

بغیر اللہ شرک ہے لہٰذا روح سے اخذِ فیض بھی شرک ہے۔

حقیقت میں یہ بات کہنا بھی صرف جہالت کا فیض ہے ورنہ بات تو صاف ہے کہ روح زندہ ہے اس کے لئے نہ موت ہے نہ فنا۔ ہاں مشرکین عرب کا عقیدہ یہی تھا کہ بدن کی موت سے روح پر بھی موت آجاتی ہے۔ اور اگر کوئی توحیدی یہ عقیدہ اپنا لے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ البتہ قرآن حکیم نے اس کی تردید فرمادی اور فرمایا کہ موت خود عدمی چیز نہیں۔ اور روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے جب روح زندہ ہے تو وہ تمام کمالات جن سے وہ متصف تھا بدن کی موت سے روح سے کیوں چھن گئے۔ اس حقیقت سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے کہ بدن کی موت سے روح کے کمالات زائل نہیں ہوجاتے۔ اس لئے روح سے اخذِ فیض، زندہ سے اخذِ فیض ہے۔ اگر یہ شرک ہے تو کیا علماء کے پاس جاکر تعلیم حاصل کرنا شرک قرار پایا اور یہ تمام دار العلوم شرک کے مراکز ٹھہرے اور تمام علماء مشرک قرار پائے بلکہ یہ شرک کا فتویٰ دینے والے پہلے خود برسوں شرک میں مبتلا رہ کر جب سند لے کر نکلے تو دوسروں کو مشرک کہنے کا مشغلہ اختیار کرلیا۔ ان حضرات کو کون بتائے کہ روح سے اخذِ فیض اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اور روح ہی حصولِ علم باطنی کا سبب ہے جو علم بالحت اسباب ہو اُسے شرک وہی کہے گا جو توحید کی حقیقت سے آشنا تک نہ ہو۔

موسیٰؑ عالمِ برزخ میں تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے مشورہ دیا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں یہی فیض ہے۔ اس کو شرک وہی کہے جو "پکا توحیدی" ہو سیدھا سادا مسلمان کہاں یہ جرأت کرسکتا ہے

ایسی باتیں کہنا دراصل ایک چھپے ہوئے مرض کی علامات سے ہے جسے حسد کہتے ہیں۔ اسی مرض نے مشرکین کو انبیاء کرام سے اخذِ فیض سے محروم رکھا۔ علامہ شامی نے فرمایا۔

فان داء الحسد قد حمل الکفار والمشرکین علی انکار معجزات الانبیاء الاخیار حتی نسبوھم الی السحر والجنون والشعر والکھانۃ وانھم یفترون علی اللہ الکذب وکیف وسعھم الاقدام علی الجزم بکفر من ھو من اجل الموحدین بمجرد اخبار بعض الفسقۃ المتمردین او بمجرد داء الحسد الذی یفسد الدین بل یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔ (رسائل شامی جلد ۲ ؛ صفحہ ۲۸۹)

حسد وا الفتی اذ لم ینالوا سعیہ
فکل اعداء لہ وخصوم
حسدا وبغضا انہ لرمیم
یرید الجاھلون لیطفئوا
ویأبی اللہ الا ان یتمہ

ولاشك انه لا يحسد الا اهل الفضائل ولا يسلم الا ذو الرذائل۔

" حسد کے مرض نے کفار ومشرکین کو انبیاء کے معجزات کے انکار پر ابھارا حتیٰ کہ ان کفار نے حضرات انبیاء کو ساحر، مجنون، شاعر اور کاہن تک کہا اور یہ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور کس طرح ان فتویٰ بازوں کے لئے جائز ہے کہ موحدین پر فتویٰ کفر لگائیں جس کی بنا محض فاسق فاجر لوگوں کی خبروں پر یا حسد پر، تو یہ حسد ان کے دین کو بگاڑ دے گا بلکہ ایمان کو فاسد کر دے گا جیسے ایلوا شہد کو بگاڑ کے رکھ دیتا ہے۔

ان فتویٰ بازوں نے اس جوان پر حسد کیا جب اس کی عظمت تک نہ پہنچ سکے۔ یہ سب اس جوان کے دشمن اور جھگڑالو ہیں۔ جیسے کسی حسینہ جمیلہ کو اس کی سوکنیں حسد کی بنا پر کہتی ہیں کہ یہ پست قامت ہے۔ یہ فتویٰ باز اپنی پھونکوں سے نورِ خدا کو بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ اس کی تکمیل کا ارادہ کر چکا ہے۔

اس امر میں شک نہیں کہ ہمیشہ اہل کمال سے ہی حسد کیا جاتا ہے اور ان فضائل کو صرف رذیل انسان ہی نہیں مانتا"۔

پھر اسی کتاب کے جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ پر فرمایا۔

وانکار ما ليس بعجب من اهل البدع والاهواء اذ لم يشاهدوا ذلك من انفسهم قط ولم يسمعوا به من رؤسائهم الذين يزعمون انهم على شئ مع اجتهادهم فی امر العبادات واجتناب السيئات فوقعوا فی اولياء الله اصحاب الكرامات يمزقون اديمهم ويمضغون لحومهم۔

" اور کشف و کرامات کا انکار ان جاہلوں سے کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان نفس پرستوں نے ان چیزوں کو اپنے اندر موجود پایا نہ اپنے گمراہ کنندہ اساتذہ سے سنا وہ استاد جو اپنے طور پر سمجھتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ باوجود عبادت میں کوشش کرنے کے وہ صاحب کرامات اولیاء اللہ کے چمڑے کاٹنے لگے۔ اور ان کا گوشت کھانے لگے۔

یعنی ان فتویٰ بازوں کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی کوتاہ فکری اور بے عملی کی وجہ سے "انگور کھٹے" کہہ کر اہل حق پر طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں اور کفر و شرک کی رٹ لگانے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل و دماغ میں یہی کچھ بھرا ہے لطف یہ کہ جو آدمی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے۔ نماز کا پابند ہے۔ روزہ رکھتا ہے، حج کا قائل ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے۔ انبیاء، ملائکہ، قیامت، عذاب و ثواب، حساب، میزان، جنت دوزخ پر ایمان رکھتا ہے۔ ذکر الٰہی میں مشغول ہے ضروریاتِ دین کا قائل ہے۔ اسے تو یہ لوگ کافر اور مشرک کہتے ہیں اس لئے ان کے اصول کے مطابق مومن اور موحد وہ ہوا

جو ان سب باتوں کا انکار کر دے اور تمام اعمال سے دست بردار ہو جائے۔ گویا ان فتویٰ بازوں کی شریعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے دین اسلام کا نام ہی شرک ہے۔ پھر اسلام کہاں سے تلاش کریں۔ علامہ شامیؒ نے ایک اصول بیان کیا ہے۔

ولو قال لمسلم یا کافر بلا تاویل کفر لانہ سمی الاسلام کفرا۔ ان القائل لمثل ھذہ المقالات ان ارادہ الشتم لا یعتقدہ کفرا لا یکفر وان کان یعتقد کفرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر لانہ لم اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد دین الاسلام کفرا ومن اعتقد دین الاسلام کفرا کفر: (جلد ۲ : ۲۹۱)

"جس نے کسی تاویل کے بغیر کسی مسلمان کو کہا۔ " اے کافر"، تو وہ خود کافر ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اسلام کو کفر کہا۔ ہاں اگر اس نے گالی کے طور پر کہا۔ کافر کہنے کا عقیدہ نہ تھا تو وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اگر مخاطب کو کافر سمجھتے ہوئے کہا تو کہنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ ایسا کرنے سے مسلمان کو کافر نہیں کہا بلکہ اسلام کو کفر سمجھا۔ اور جس نے اسلام کو کفر سمجھا وہ کافر ہو گیا"۔

علامہ شامی نے اس مقام پر متعدد علماء کا مذہب نقل کیا کہ کسی کو اس طرح بلا تحقیق کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ ان علماء میں علامہ ابن الرفعہ، علامہ قمری، علامہ قشانی، علامہ اسفری، علامہ ازرعی، علامہ ابن ابی راعد امام صاحب، علامہ ابو اسحاق اسفرائنی، شیخ مقدمی امام غزالیؒ، علامہ دقیق العید اور علامہ ابن شحنہ ہیں۔ آخر میں کہا۔ بل قضیتہ کلام ھؤلاء انہ لا فرق بین ان یؤول اولا۔

یعنی ان حضرات کے کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تاویل کرے یا نہ کرے کوئی فرق نہیں پڑتا

اس اصول کی روشنی میں ان حضرات کی حیثیت معلوم کی جا سکتی ہے جو اہل سنت ہونے کا دعویٰ بھی کئے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کو کافر اور مشرک لکھنے کی رٹ بھی لگا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک دین اسلام شرک ہے اور شرک ہی ان کا دین ہے۔

علامہ شامی نے جلد ۲ : ۲۹۱ پر مسلم شریف کی ایک حدیث نقل فرمائی۔

اذا کفر الرجل اخاہ فقد باء بھا احدھما وفی روایۃ ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما۔

"جب کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو تو ان میں سے ایک تو کافر ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس آدمی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان میں ایک یقیناً کافر ہو گیا"۔

ان فتویٰ بازوں کے بے محابا شغل تکفیر سے آدمی

خود اندازہ کرسکتا ہے کہ دونوں میں سے کون کفر کی زد میں آیا۔

صاحب بحر الرائق جو فقہ حنفی میں فقیہ النفس اور ثانی امام ابوحنیفہؒ مانے جاتے ہیں اپنی کتاب ۵ : ۱۲۴ پر فرماتے ہیں۔

روالطحاوی عن اصحابنا لا یخرج الرجل من الایمان الا بجحود ما ادخله فیه الی ان قال اذ الاسلام الثابت لا یزول بشك مع ان الاسلام یعلوا وینبغی للعالم اذا رفع الیه بهذا ان لا یبادر بتکفیر اهل الاسلام و فی الفتاوی الصغری الکفر شئ عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا حتی وجدت روایة انه لا یکفر واذا کانت فی المسئلة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم۔

"آئمہ احناف سے امام طحاویؒ نے روایت کی کہ آدمی ایمان سے خارج نہ ہوگا جب تک اس کلمہ کا انکار نہ کردے جس کلمہ کے ذریعے ایمان میں داخل ہوا۔ چونکہ اس کا اسلام تو یقینی اور ثابت ہے۔ اب وہ شک سے زائل نہ ہوگا جب یہ حقیقت بھی موجود ہے کہ اسلام غالب ہے، ہر عالم کا فرض ہے کہ جب اس کے سامنے کفر و اسلام کا مسئلہ پیش ہو تو کافر کہنے میں جلدی نہ کرے۔ اور فتاوی صغرای میں ہے کہ کفر بہت بری شے ہے، میں اگر کسی میں عدم تکفیر کی ایک روایت بھی پاؤں تو اسے کافر نہیں کہتا جس مسئلہ میں کفر کے کئی وجوہ ہیں مگر اس کے مومن ہونے کی ایک وجہ معلوم ہوتی ہے تو اسے مومن ہی کہو تو مفتی کا فرض ہے کہ اس ایک وجہ کا لحاظ رکھتے ہوئے حسن ظن سے کام لے کر اسے مومن ہی کہے کافر نہ کہے۔"

فقیہہ عصر کا یہ کہنا کہ اگر عالم کے سامنے کفر و اسلام کا مسئلہ پیش کیا جائے تو کافر کہنے میں جلدی نہ کرے، تو سر آنکھوں پر مگر اس کا کیا علاج کہ عالم اتنا صبر یا انتظار نہ کرسکے کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش کرے اور تکفیر کی مشین گن لے کر گلی گلی پھرے اور ریپڈ فائر کرتا چلا جائے اور جو سامنے آئے اسے کافر و مشرک کہتا پھرے۔ اور اگر کوئی سامنے نہ آئے تو اسے غائبانہ "ثواب" پہنچانے میں دریغ نہ کرے۔

پھر فرماتے ہیں :۔

والذی تحرر انه لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفر اختلاف و لو روایة ضعیفة فعلی هذا۔ فاکثر الفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بها ولقد الزمت نفسی ان لا افتی بشئ منها۔

"وہ بات جو میں لکھتا ہوں یہ ہے کہ جہاں تک

ممکن ہو کسی پر کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے۔ مسلمان کی کلام اور اس کے فعل کو اچھی صورت پر محمول کیا جائے یا کفر میں اختلاف ہو اگر ایک ضعیف روایت ہی مل جائے تو اُس کا لحاظ رکھا جائے۔ کفر کے اکثر الفاظ جن کا ذکر ہوا ہے ان الفاظ سے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے۔ اور میں نے تو اپنے لئے لازم قرار دے رکھا ہے کہ کفر کا فتویٰ کبھی نہ دوں گا۔"

ظاہر ہے کہ ایک عالم ربانی کا اصل کام یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو کفر سے نکال کر اسلام کے دائرے میں لائے یہ کہاں کا علم ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل مسلمانوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر کفر میں دھکیلتا چلا جائے اور خوشی سے پھولا نہ سمائے کہ کارے کردم۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوھریرہؓ کی ایک روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الايمان بضع وسبعون شعبة افضلها لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان فالكفر والايمان متقابلان اذا زال احدهما خلفه الاخر ولما كان الايمان اصلا له شعبة متعددة كل شعبة منها تسمى ايمانا فالصلوٰة من الايمان وكذلك الزكوٰة وكذلك الحج والصوم والاعمال الباطنة كالحياء والتوكل والخشية حتى تنتهي هذه الشعبة الى اماطة الاذى عن الطريق وهذه الشعب منها ما يزول الايمان بزوالها كشعبة الشهادتين۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ اجزا ہیں۔ اس کی اعلیٰ اور افضل جزو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور ادنیٰ جزو کسی ایذا دینے والی چیز کو راستے سے ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا شعبہ ہے۔ پس کفر اور ایمان دو متضاد چیزیں ہیں ایک زائل ہوا تو دوسرا موجود ہوگا (ایمان گیا تو کفر موجود اور کفر گیا تو ایمان موجود) ایمان ایک شجر ہے جس کی متعدد شاخیں ہیں۔ ہر شاخ ہر شعبۂ ایمان کہلاتا ہے۔ نماز ایمان کی شاخ ہے اسی طرح زکوٰۃ، حج اور روزہ اور اعمال باطنی جیسے حیا، توکل، خوفِ خدا یہ تمام ایمان کے اجزا ہیں حتیٰ کہ آخری جزو راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹانا ہے۔ ان تمام شعبوں میں بعض تو ایسے ہیں کہ ان کے زوال سے ایمان چلا جاتا ہے جیسا کہ اقرار شہادتین تو بعض وہ ہیں جن کے زوال سے ایمان زائل نہ ہوگا (البتہ آدمی فاسق و فاجر ہوگا)"

ظاہر ہے کہ جب ایمان اور کفر دو متقابل امر ہیں تو ایمان کے جانے سے یقیناً کفر آجائے اسی طرح اس کے برعکس۔ اہلسنت کے نزدیک ان دونوں کے درمیان اور کوئی مقام نہیں۔ اور کفر میں انسان کو وہی چیز داخل

کرے گی جس کے زوال ترک و انکار سے ایمان زائل ہو جاتا ہے جس حکم نے ایمان میں داخل کیا وہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اسی کے انکار سے ایمان خارج بھی ہوگا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد آدمی کو چند ضروریاتِ دین پر بھی ایمان لانا ہوگا۔ ان کا اقرار بھی ضروری ہے جن کے انکار سے ایمان کا زوال ہوگا۔

یہ ذکر ہو چکا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام شعبے ایمان کے ہیں۔ اسی طرح ترکِ نماز، ترکِ زکوٰۃ وغیرہ شعبے کفر و شرک کے ہیں۔ گو محض ان کے ترک سے آدمی کافر نہ ہو گا۔ جیسا مسلم شریف مع فتح الملہم ۱ : ۲۴۵ پر ہے

عن ابی سفیان قال سمعت جابرا یقول سمعت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ ۔

"حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مرد مومن اور کفر و شرک کے درمیان فارق صرف نماز ہی ہے"

ظاہر ہے کہ یہ کفر و شرک اعتقادی نہیں فعلی ہے جو ایک شعبہ کفر و شرک کا ہے اس لئے ترکِ نماز سے نہ مشرک ہوگا نہ کافر۔ ہاں نماز کا منکر ہو یا تکبر ہو تو یہ کفر ہے کیونکہ منکر وجوبِ نماز ہے۔ یہی حال دوسرے ارکانِ دین کا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح ایمان ایک شجر ہے اس کی مختلف شاخیں ہیں اسی طرح کفر بھی ایک شجر ہے جس کے مختلف شعبے ہیں۔ اس لئے ایمان کا ہر شعبہ ایمان ہے اور کفر و شرک کا ہر شعبہ یا شاخ کفر و شرک ہے۔ مثلاً نماز شعبۂ ایمان ہے، ترکِ نماز شعبۂ کفر ہے لیکن کسی مسلمان میں اگر ایک شعبۂ کفر پایا جائے مثلاً نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، تو اسے کافر و مشرک نہیں کہا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ کفر دون کفر، شرک دون شرک، فسق دون فسق، نفاق دون نفاق۔ چنانچہ فتح الملہم ۱ : ۲۴۵ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

والکفر کفران والظلم ظلمان والفسق فسقان وکذا الجہل جہلان جہل کفر وجہل فسق کذالک الشرک شرکان۔ شرک ینقل عن الملۃ وھو شرک الاکبر وشرک لا ینقل عن الملۃ وھو شرک الاصغر وھو شرک العمل کالریاء کما قال فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا ۔ ومن ھذا الشرک الاصغر قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف بغیر فقد اشرک وھذا الشرک لا یخرجہ عن ملۃ الاسلام وکذا النفاق نفاقان۔ نفاق اعتقادی و نفاق عملی۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک، کفر، نفاق وغیرہ دو قسموں کا ہے ایک اعتقادی جسے اکبر کہتے ہیں اس سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا عملی یعنی اس میں ایک شعبہ شرک، کفر یا نفاق کا پایا گیا۔ ایسے آدمی پر شرک

وکفر کا فتویٰ دینے والا خود کافر ہو جائے گا۔ جیسے درخت کی شاخ کو شاخ تو کہیں گے مگر درخت نہیں کہیں گے۔ اسی طرح جہلاء کا قبور اولیاء اللہ پر جا کر سجدہ کرنا ایک شعبہ شرک ہے۔ شرک اکبر نہیں جس سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔

ہاں ایسے فعل کرنا جن سے صاف علامت تکذیب شریعت پائی جائے تو ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا جیسے بت کے سامنے سجدہ کرنا۔ قرآن کریم کو غلاظت میں رکھ دینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا وغیرہ۔ مگر قبور پہ سجدہ کرنا، نذریں ماننا، چراغ جلانا، ایسے فعل ہیں کہ ان میں تکذیب شریعت نہیں پائی جاتی۔ ایسے لوگوں کو بدترین فاسق کہنا تو جائز ہے مگر انہیں مشرک یا کافر کہنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی بدکار کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحب قبر مستقل قدرت رکھتا ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یا جبری و قہری سفارش کا قائل ہو جو نص قرآن کے خلاف ہے۔ قال تعالیٰ "ولا شفیع یطاع" یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اولیاء اللہ نفع، نقصان پہنچانے میں مختار ہیں۔ تو یہ اعتقاد صریح شرک و کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔

مختار کل صرف ذات باری تعالیٰ ہے بغیر اذن رب العلمین کے کوئی کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اولیاء اللہ صرف دعا کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دعا سنتا تو سب کی ہے مگر اولیاء اللہ کی دعا جلد قبول کرتا ہے۔ یہ اس کا انعام ہے۔ ان میں جو مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ان کی دعا باذن اللہ تعالیٰ مصائب کے دور کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ:

قلت بعد ذلك فلا يجوز الحكم على ساجد القبور بالكفر والشرك الاكبر بمجرد اعتقادهم في اصحاب القبور انهم شفعاءهم عند الله مالم يستفسروا عن كيفية اعتقادهم ذلك واما قبل الاستفسار فيلزم العمل بما قال العلماء ان قول القائل ابنت الربيع البقل محمول على الاسناد الحقيقي ان كان دهريا وعلى الاسناد العقلي المجازي ان كان مؤمنا فكذا القول بان هؤلاء شفعاؤنا عند الله يحمل على الشفاعة الشركية ان كان القائل غير مسلم ويحمل على الشفاعة الشرعية ان كان مسلما وكذا القول ان فلانا يضر وينفع يحمل على الضرري والنفع بالذات ان كان كافرا وعلى الكرامة ان كان مسلما لانه اعطاه الله تعالى الكرامة ولا ينفع ولا يضر الا بكرامة الله التي اعطاها اياه وباذنه لا باستقلال له۔

اس لئے کسی مسلمان کے ایسے فعل پہ جو شرک فعلی ہو بغیر اعتقاد پوچھے اور بغیر اعتقاد دریافت کئے کفر و شرک کا فتویٰ دینا یعنی کافر و مشرک کہنا مفتی کی جہالت کی دلیل ہے اور یہ فتویٰ مفتی پر عود کرے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسرار التنزیل

پند و نصائح — حضرت شیخ المکرم ملک محمد اکرم مدظلہ العالی

احباب گرامی!

اس مختصر سے اجتماع میں کوئی تقریر کرنا بیان کرنا مقصد نہیں ہے چند اصلاحی اور بنیادی باتیں عرض کرنا اور عمومی امور کی طرف توجہ دلوانا مقصود ہے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اور بڑی تیزی سے اپنی منزلیں طے کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واصل باللہ ہوئے اس دنیا سے پردہ فرمائے دو سال بیت گئے ہیں۔ یوں تو دو سال بڑا طویل عرصہ ہوتا ہے سال ایک لمبے عرصے کا نام ہے لیکن آپ دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ پلک جھپکنے میں یہ وقت گذر گیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح محنت اور مجاہدہ کیا اور جن مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اس گئے گزرے دور میں اس نعمت عظیمہ کو سنبھالا یہ ایک بہت لمبی داستان ہے بہت کٹھن کام ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے انعامات کا بھی کوئی حساب نہیں۔ خداوند کریم نے جسطرح انعامات حضرت کی ذات پر فرمائے۔ اس کا بھی کوئی حساب نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس مادہ پرست دنیا میں، اور اس مادہ پرست عہد میں اور موجودہ مادی ترقی کی چکا چوند میں پھر سے انسانی دلوں کو جس طرح خدا آشنا فرمایا اور لوگوں کے طرزِ حیات اور اُن کی طلب کو جس طرح تبدیل کر دیا یہ بجائے خود ایک بہت بڑا انعامِ باری اور بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے

تصوف اور سلوک اپنی ایک انفرادی حیثیت

رکھتا ہے اور اپنی اس حیثیت میں اگرچہ یہ سارا کیفیات سے مرکب ہے اور سارا کیفی ہے لیکن ابتدا سے انتہا تک اس میں بے شمار مدارج اور منازل ہیں اور جس طرح باقی کمالات جنہیں آپ کتابوں میں یا الفاظ میں یا بعض علوم میں اور بعض فنون میں حاصل کرتے ہیں اور اُن کے مدارج اور ان کے اندازے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ یہ سلوک وتصوف کیفیات ہے لیکن اس کے مدارج ہیں اور اُن مدارج ومنازل میں کہاں تک اللہ کریم نے حضرت کو عطا فرمایا اس کا اندازہ آپ اس سے لگالیں کہ بڑے بڑے صاحب کشف حضرت کی جماعت میں تھے لیکن میں نے حضرت کے وصال کے بعد اندازہ کیا کہ کوئی بھی شخص خواہ کتنے کشف کا مالک ہے وہ حضرت کی منازل کا تعین نہیں کر سکا۔ اور مختلف حضرات نے جب مختلف باتیں منہ سے نکالیں تو میں نے اسی لئے وہ چھوٹا سا مضمون لکھ دیا تھا "حیاتِ طیبہ" کہ کسی حد تک کچھ رہنمائی ہو جائے اگرچہ اس میں مَیں نے منازلِ سلوک حضرت کے کہاں تک تھے نہیں لکھے۔ میں اب بھی یہ نہیں کہنا چاہتا کہ میرے پاس یہ بھی ایک کسوٹی ہے کہ کوئی ان منازل کو جانتا بھی ہے یا کوئی ان کے نام سے بھی واقف ہے۔ جب زبان سے نکل جائیں گے تو شاید پھر کئی اور بھی دعویٰ کرنے والے ہوں گے۔ لیکن آج تک میں دیکھ رہا ہوں کہ اُن کا نام بتانے والا کوئی نہیں۔ اگر تحریر میں آ جائیں یا بیان میں آجائیں تو ممکن ہے کوئی شخص کل کو کہہ دے آج نہ سہی کل سہی کوئی دس سال بعد کہہ دے کہ یہ چیز میرے پاس بھی ہے چونکہ جہاں تک لوگوں نے سن رکھا ہے وہاں تک لوگ دعویٰ کرتے رہتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی تک اُن منازل کے ناموں کی خبر نہیں۔ اور نہ کوئی کشفاً انہیں جان سکا ہے۔

یہاں یہ ایک فریم رکھا ہے میں نے تو نہیں پڑھا کوئی ساتھی بتا رہے تھے اس میں حضرت کا منصب لکھا ہوا ہے "قطب وحدت" اب جس ساتھی نے لکھا یا لکھوایا یقیناً اُس نے یا خود اسے کشف ہو گا یا کسی صاحب کشف سے اس نے پوچھا ہو گا تو انہیں یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ حضرت کی زندگی میں حضرت کے شاگردوں میں "قطبِ وحدت" کا منصب تھا۔ تو وہ جو شخص دنیا میں موجود تھا اور اس کا ایک شاگرد "قطب وحدت" تھا اس کے منازل کا آپ اندازہ کریں۔

دراصل نظامِ کائنات ایسا ہے کہ اگر آپ دنیوی اور مادی ترقی کو دیکھیں تو اگرچہ بڑے لوگ بڑے ذہین بڑے محنتی بڑے محقق آج سے پہلے بھی گزرے ہیں لیکن جو نعمت مادی خداوند کریم نے اس زمانے میں لوگوں پر تقسیم کی ہے وہ پہلے سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پہلوں کے لئے جب پہیہ ایجاد ہوا تھا تو سائیکل ہی بہت بڑی عجیب ایجاد تھی اور آج اگر آپ دیکھیں تو آواز کی رفتار سے کئی گنا زیادہ رفتار والے جہاز ہیں۔ پانچ پانچ سو آدمیوں

کو بٹھا کر جہاز اُڑ جاتا ہے۔ جیسے یہ عام کام ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے سرے پر کوئی بات کر رہا ہو آپ یہاں سن رہے ہوتے ہیں، اُسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور مدار میں اور چاند تک کہاں تک لوگ پروازیں کر رہے ہیں۔ یہ سب باتیں پہلے لوگ سوچ بھی سکتے تھے؟ یوں نظر آتا ہے جیسے رب کریم نے نعمتیں لٹا دی ہیں۔ اور اس طرح سے اندازہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص بچتا رہا بچتا رہا یا بانٹتا رہا۔ تو اس نے کہا کہ چلو یار اب اس کھیل کو ختم کرو تو اُس نے وہ پلہ ہی جھاڑ دیا ہو۔ کہ جو کچھ ہے اس کو بانٹ لو۔ اگرچہ اُس کے خزانے تو ختم نہیں ہوتے لیکن جو کچھ وہ لوگوں کو عطا فرمانا چاہتا تھا اُن میں سے یوں نظر آتا ہے۔ جیسے اللہ نے وہ لٹا دیا ہو اور اب اگلا قدم اس سارے کھیل کا خاتمہ ہو۔

چونکہ جو شواہد قرب قیامت کے احادیث مقدسہ میں ملتے ہیں ان میں بھی یہ بھی ایک بڑی خبر ہے۔ کہ مادی نعمتیں جو ہیں وہ بہت عام ہو جائیں گی اور لوگ عیش پسندی کی طرف راغب ہو جائیں گے اور بڑے بڑے محل بنائیں گے۔ عام آدمی اور چرواہے اور گڈریے حکومت کو پالیں گے حکومت تک پہنچ جائیں گے۔ نالائق اور نااہل قوموں کے سربراہ اور نمائندے بن جائیں گے

تو جس طرح یہ مادی نعمت خداوند عالم نے تقسیم کی ہے اسی طرح سے روحانی دولت اتنی اور اتنی حاصل کی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اور اس سلسلہ عالیہ نے کہ اس کی نظیر اس سے پہلے کہ سارے سلسلہ تصوف میں نہیں ملتی جس طرح مادی ترقی کی نظیر معلوم تاریخ انسانی میں آپ کو نہیں ملتی۔ اُسی طرح جو منازل جو مدارج روحانی تقسیم ہوئے اُن کی نظیر بھی پہلے تاریخ تصوف میں نہیں ملتی۔ اب جس طرح آپ مادی ترقی میں آپ کسی قوم کا یا کسی ملک کا نام لے لیتے ہیں کبھی کسی کا یا کوئی کہتا ہے رُوس آگے نکل گیا یا کوئی کہتا ہے امریکہ نے زیادہ ترقی حاصل کر لی۔ کوئی دوسرے کا نام لیتا ہے۔ اسی طرح جب ہم روحانیات کے بارے میں آتے ہیں تو صرف ایک نام آتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کوئی لمحہ فارغ نہیں ملتا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا سے دارِ بقا کو چشم عالم سے پردہ فرما رہے تھے تو بھی آپ تلقین فرما رہے تھے بعض احکام کی اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری ارشاد یا وہ الفاظ جو اس دنیاوی زندگی میں سب سے آخر میں آپؐ نے ادا فرمائے وہ بھی تاکید ہے ان میں بھی اتباعِ شریعت کی۔ یعنی آپ اندازہ کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے مجاہدہ شروع فرمایا اور وہ اضطراری ہے۔ جب ہوش سنبھالا تو مجاہدہ اختیار کیا وہ اختیاری تھا قبل بعثت بھی اور بعثت کے دن سے وصال کے لمحے تک آپ کا مجاہدہ بدستور جاری رہا۔ کوئی شخص بھی کوئی لمحہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں فارغ نہیں تلاش کر سکتا۔ حالانکہ محققین نے تحقیق کا حق

ادا کر دیا۔ اور ایک ایک لمحہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے دلوں میں اپنے سینوں میں سمو لیا ہے۔ اور صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ یہاں تک محققین نے تحقیق فرمائی ہے کہ آپ نے زندگی بھر میں کتنی غذا استعمال فرمائی کتنے کپڑے استعمال فرمائے۔ کتنی بار آپ نے بال مبارک ترشوائے اور کہاں کہاں اور کتنی جگہ ناخن مبارک اتروائے۔ یعنی دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی نجی ذاتی اور معاشرتی قومی ملکی تمام طرح کی زندگی عیاں ہو اور بالکل ہر ایک لفظ موجود ہو اس سیرت میں۔ خانگی زندگی، گھریلو زندگی ذاتی زندگی سے لیکر آپ کی بیرونی زندگی تک تمام جو ہے اُس پر تحقیق کی گئی ہے۔ اور کوئی لمحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہوں، سفر میں ہوں، حضر میں ہوں، مسجد میں ہوں فراغت کا نہیں ملتا۔ اسی طرح سے عین سنت کے مطابق حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کو کبھی میں نے آپ کو زندگی میں فارغ نہیں دیکھا۔ تمام امور ساتھ تھے۔ خانگی بھی گھریلو بھی ضروریات بھی تکلیفات بھی دوستی بھی دشمنی بھی لیکن ان سب کاموں کے ساتھ یاد رکھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو اور ذاتی مصروفیات ترک نہیں فرمادیں۔ تمام مصروفیات کو علیٰ حالہ قائم رکھ کر ہر کام کو ایک مجاہدے کا رنگ دے دیا تھا۔ اسی طرح حضرت کی زندگی میں اپنی ربع صدی کی رفاقت میں میں نے آپ کو کبھی فارغ اور بے فکر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ تو مجاہدہ بھی جو اللہ نے آپ کو توفیق دی وہ مثالی ہے۔ اور منازل و مقامات بھی جو رب کریم نے عطا فرمائے وہ مثالی ہیں اور یہ ساری محنت، ساری جدوجہد ایک خاص مقام ایک خاص نقطے پر پہنچا کر آپ اپنا مشن پورا کر گئے اور اس زمانے میں جب اللہ جل شانہ کا نام لوگوں کے ذہنوں سے اتر چکا ہے دل تو بہت گہراتی میں ہوتا ہے۔ زبانیں تک محروم ہو چکی تھیں۔ پھر سے لوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد اور اللہ کی تجلیات کو بپا کیا اور کمال یہ ہے کہ اس نعمت کی بات اور خبر روئے زمین پر پہنچائی یعنی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں رہا جہاں تک بات نہ پہنچی ہو

اس کے بعد باری آگئی میری اور آپکی اب ہم اگرچہ یہ چاہیں کہ بھئی ہم سے مجاہدہ تو ہوتا نہیں یہ تو مشکل کام ہے کچھ تھوڑا بہت گذارا کرتے رہیں گے اور نعمت ہمارے پاس اسی درجے کی ہو تو یہ ناممکن بات ہے اگرچہ ثمرات ہمیشہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہی ہوتے ہیں لیکن ان ثمرات کو پانے کی بنیاد مجاہدہ ہے۔ قانون یہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔ یہ قانون ہے کہ انسان مجاہدہ ضرور کرے۔ اب اس پہ کتنا اجر مرتب ہوتا ہے کتنا ثمر مرتب ہوتا ہے۔ کتنے مقامات عطا ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی مرضی۔ لیکن اگر کوئی مجاہدہ ہی نہ کرے اور آرزو ثمرات کی رکھتا ہو تو یہ درست نہیں۔

چونکہ ولایت اصولاً کسبی چیز ہے یہ اس معنی میں وہبی ہوتی ہے۔ ثمرات وہبی ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے

ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے انسانی کسب ضروری ہے۔ انسان مکلف ہے اس کے اکتساب کا اور اس کے ساتھ کمال یہ ہے کہ جوں جوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بُعدِ زمانی ہوتا گیا۔ پھر لوگوں نے محنت اور مجاہدے میں تنہائی کو خلوت کو اور دنیا سے دوری کو شامل کر لیا اس کی وجہ تھی کہ یہ اُن کی مجبوری تھی۔

اتنی قوت کہ دنیاوی امور کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ اکتسابِ نور اور اکتسابِ فیض بھی ہوتا رہے۔ نہ رکھتے ہوئے یہ راستہ اپنایا گیا کہ دنیوی امور کو کم کیا جائے اور سارا وقت مجاہدے پر صرف کیا جائے۔ اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دیا جائے تاکہ کچھ کیفیات پیدا ہوں۔

ہم جب حضرت جی کے پاس آتے تھے پانچ چار چھ دوست ہوتے تھے۔ ہم میں سے جسے مراقبات و مشاہدات نصیب ہوتے تو حضرت برزخ کا کلام سکھانے کے لئے یہاں باہر ایک بزرگ ہوا کرتے تھے اب بھی ہے اُن کا مزار ہے اُن سے گفتگو کروایا کرتے تھے۔ سکھانے کے لئے کہ اہل برزخ سے کس طرح کلام کیا جاتا ہے تو وہ بزرگ جو تھے خود اُن کے فنا فی الرسول تک منازل تھے اور وہ اپنا قصہ یہ بتاتے تھے کہ میں تلاش کرتے کرتے دہلی تک گیا اور وہاں مجھے شیخ ملا۔ برسوں میں اُس کی خدمت میں رہا۔ اب مجھے برسوں کی صحیح تعداد ذہن میں نہیں ہے۔ چونکہ ایک ربع صدی کی بات ہے تو بہرحال وہ دس پندرہ سال کے درمیان بتاتے تھے۔ پندرہ سال یا سولہ سال کچھ اس طرح مجھے صحیح یاد نہیں ہے غالباً سولہ کا کہتے تھے۔ اتنا عرصہ تو میں شیخ کے پاس رہا شیخ کی خدمت میں رہا۔ رات دن مجاہدہ کیا۔ مراقبات کیے۔ ذکر اذکار کیے تو اتنی محنت کے بعد مجھے فنا فی الرسول نصیب ہو گیا۔ تو جب میرے منازل یہاں تک پہنچے تو شیخ نے مجھے رخصت تو کر دیا لیکن اس حکم کے ساتھ کہ زندگی بھر شادی بھی نہیں کرو گے اور لوٹ کر اپنے کنبے میں بھی نہیں جاؤ گے کہ اگر تم اپنے خویش و اقارب میں چلے گئے تو پھر مشکل ہے کہ تم یہ نعمت سنبھال سکو۔ تو یہ اُن حضرات کی مجبوری بھی تھی۔ انہوں نے شوقیہ اختیار نہیں کیا تھا۔

اس میں یہ تبدیلی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پر آکر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ اتنی قوت ایک شخص کو عطا کر دی کہ دنیوی امور بھی انجام پذیر ہوتے رہیں اور اس کے ساتھ اکتسابِ فیض ہو اور ایسا ہو کہ جیسا کوئی ساری عمر خلوت میں بیٹھ کر بھی حاصل نہ کر سکا ہو۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ ضرور تھا یہ بنیاد تھی کہ دنیوی امور میں بھی توجہ اپنے اصل مقصد سے ہٹنے نہ پائے اور کام کرتے ہوئے بھی انسان کو یاد رہے کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ حصولِ کیفیات، رضائے باری، قربِ الٰہی ہے تو وہ دنیوی امور کو بھی اس طرح سے انجام دے کہ کسی کام کا کرنا اُس کے مقصد میں حارج نہ ہو۔

اب اگر کوئی اعمال ہی اُلٹے کرنے شروع کر دے تو وہ اتنا کما نہ سکے جو دن بھر میں وہ ضائع کرے تو اس کی اجازت

نہیں ہے یعنی دنیوی امور کو جو انجام دینے کی اجازت ہے وہ اس لئے ہے کہ ہماری دنیا بھی ہمارے حصول مقصد میں معاون ہو اور دنیوی کام بھی سنت خیر الانام کے مطابق انجام دیئے جائیں

سو بحمد اللہ! اللہ کریم کا بڑا احسان ہے کہ خود حضرت کا وصال ایک بہت بڑا سانحہ تھا پھر اس کے بعد متعدد چھوٹی بڑی رکاوٹیں متعدد ایسی حادثاتی باتیں آئیں جو اس مشن کو بہت بڑا نقصان پہنچا سکتی تھیں لیکن الحمد للہ کام کی رفتار اور کام کی کیفیات میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ کا احسان ہے اس میں نہ میرا کمال ہے اور نہ آپ کا۔ یہ اُس کریم کا احسان ہے اور بہت ہی بڑی بات ہے کہ اب اللہ جل شانہ نے ہم پر یہ احسان مزید فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے سلسلہ ہائے تصوف ہیں موجودہ دور میں سارے کے سارے ہمارے سلسلہ عالیہ سے فیضیاب ہوتے ہیں اور یہ انفرادیت عطا کی گئی ہے اس سلسلہ عالیہ کو بارگاہِ نبوی سے جو برکات آتی ہیں وہ سیدھی اس سلسلہ عالیہ پہ وارد ہوتی ہیں اور ہمارے ہاں سے بٹ کر روئے زمین پر جاتی ہیں۔

یہ وہ نعمتیں ہیں جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجاہدہ فرمایا۔ کائنات آپ کے خدام کے لیے اللہ نے مسخر کر دی۔ اسی طرح سے حضرت کے مجاہدات کا یہ صدقہ ہے اور اللہ کی عطا ہے یہ بات صرف کہنا آسان ہے اس کو سمجھنا اتنا آسان نہیں۔ یہ بہت ہی بڑی بات ہے کہ کوئی سلسلہ دنیا پہ ایسی انفرادی اہمیت اور ایسے انفرادی مقام اور منصب پہ چلا جائے کہ تمام سلاسل اس سے اکتسابِ فیض کریں یہ بہت بڑی بات ہے۔ اور یہ بہت بڑا مقام ہے۔

تو جتنی اس کی اہمیت جتنا اس کا مقام ہے اُتنا ہی اس کو سنبھالنا اور حفاظت بھی ضروری ہے۔ اتنی ہی اس کی اطاعت، خلوص، خشوع و خضوع اتنی ہی محنت و مشقت مجاہدہ بھی ضروری ہے

اور یاد رکھیں جس طرح معاشرہ افراد سے بنتا ہے اس طرح سلاسل بھی افراد سے بنتے ہیں۔ کوئی ایک شخص کوئی فرد واحد سلسلہ نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہر شخص کی اپنی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے جو جہاں جس مقام پہ بیٹھا ہے اُس سے اُس کام اور اُس مرتبے کے لحاظ سے محنت کرنا پڑتی ہے لیکن یہ کبھی نہ سوچیں کہ جسے چند مراقبات نصیب ہو گئے یا کوئی جماعتی منصب امارت وغیرہ کا مل گیا وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اب آزاد ہو گیا۔ دوسروں پہ حکم چلانے کے لئے بلکہ جتنی کوئی اہمیت حاصل کرتا ہے اُتنے زیادہ اُس سے مجاہدے اور مشقت کی امید کی جاتی ہے۔

تو اگرچہ یہ بہت بڑی خوشخبری ہے جو اس دفعہ بحمد اللہ مدینہ منورہ کی حاضری کے وقت نصیب ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ ، ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

خواہ معاشرہ ہو یا عہد کے حالات کتنے بھی بدل جائیں، کتنے بھی ناموافق ہو جائیں، لوگ کس طرف بھی چل

پڑیں لیکن جنہیں اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے اُنہیں لوگوں کے پیچھے نہیں جانا، اُنہیں لوگوں کو اپنے پیچھے لانا ہے۔

اور دوسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے۔ یہ ایک بات ہے جو عرض کی ہے میں نے۔ کہ ہماری زندگی، ہماری ذاتی زندگی، ہماری کاروباری زندگی، ہماری ملازمت کی زندگی ہمارے گھر کے کام ہوں یہ سب کیجئے لیکن اس مقصد کو مدنظر رکھ کر کہ آپ کس منزل کے راہی ہیں اور آپ کو کام کس انداز سے کرنا چاہیے۔

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے معمولات میں باقاعدگی پیدا کریں کوئی بھی شخص دو اوقات کے ذکر کو مت چھوڑے۔ یاد رکھیں یہ جو مغرب کے بعد کا ذکر ہے اگر فرصت نہیں ہے تو آپ عشاء کے بعد تک تو کر لیں لیکن ایسا نہ ہو کہ بغیر ذکر کیے سو جائیں۔ چونکہ دن بھر میں جو آلودگی مزاج پہ آتی ہے اور جو کدورت دل پہ وارد ہوتی ہے۔ لوگوں کے میل جول سے۔ باتیں کرنے سے۔ باتیں سننے سے اور نحوست زدہ مقامات پر گذرنے سے۔ منحوس اور نحوست زدہ اشیاء کھا جانے سے جس طرح کی کدورت وارد ہوتی ہے لطائف پر اور دل پر۔ اس کو بعد مغرب کا ذکر بفضل اللہ دھو دیتا ہے اور آدمی اگر یہ ذکر جم کر اور مجاہدے اور محنت سے کرے تو پھر رات کو سوتے میں بھی یہ عمل مسلسل چلتا رہتا ہے اور دل اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ جب سحری کو اٹھ کر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے ترقی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اس صورت میں کہ جتنی خرافات دن کو سہنا پڑی تھیں شام کو اُنہیں صاف کیا۔ اُن کے ساتھ محنت کی۔ اور اگر شام کو اُن کے ساتھ محنت نہ کی تو صبح اُٹھ کر بھی شاید ساری صاف نہ کر پائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی کیفیت جو بھی لے کر آپ سو جائیں گے وہ بڑھتی رہے گی۔ اگر غفلت لے کر سو گئے تو اُس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور اگر آپ ذکر کر کے متوجہ الی اللہ ہو کر سو گئے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اتنی اللہ اللہ آپ کا دل بیٹھ کر ذکر کرتے ہوئے نہیں کر رہا ہوگا۔ جب آپ کی سوتے سے آنکھ کھلے گی تو آپ محسوس کریں گے کہ کتنی شدت اللہ اللہ کر رہا ہے۔ لیکن وہ تب جب آپ اس کو اس کام پر لگا کر سو گئے۔ محنت کر کے، مجاہدہ کر کے سو گئے تو جب یہ کیفیت اُس کی ہوگی تو جو ذکر آپ سحری کو کریں گے اس میں بفضل اللہ وہ مزید کیفیات اخذ کرے گا اور ترقی نصیب ہوگی۔

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روئے زمین پر لکھ کر پھیلا دیا کہ ہمارے پاس آؤ اور میں تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کراتا ہوں۔ ہم بھی اس دعوت پر قائم رہے اور ہم بھی بدستور یہ بات کہتے بھی ہیں بیان جب بھی کہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ تو ہم جب یہ بات برملا کہتے ہیں تو لوگ بھی کہتے ہیں حق بجانب ہیں کہ یہ جو آپ کے گرد بیٹھے ہیں ان میں سے کتنوں کو حاصل ہے۔ تو ہماری دعوت ہمارا عمل اُس کی تردید نہ کرے تائید

کرے۔ اب اگر ہم مجاہدہ نہیں کریں گے محنت نہیں کریں گے۔ اور اُس درجے کی محنت نہیں کریں گے جو اُس مقام کے لئے چاہیئے تو ایک نقصان تو یہ ہوا کہ ہم اس عظیم سعادت کو نہ پا سکے کہ اللہ کریم اس سے معاف فرمائے۔ محفوظ فرمائے۔ دوسرا یہ ہوا کہ ہمارا وجود لوگوں کے راستے میں حائل ہو گیا کہ جی بات کوئی ہوتی تو انہیں بھی حاصل ہو جاتی پتہ نہیں بات ہے بھی کہ نہیں ہے۔

اس لئے یہ ہم میں سے ہر فرد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو جس مقام پر ہے وہاں سے وہ پوری محنت پوری دیانت خشوع و خضوع کے ساتھ پورا مجاہدہ کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

یعنی آپ کو سیکھنا ہے تو آپ سیکھنے کے لئے آئیں آپ وقت نکالیں کہ یہ آپ کا مقصدِ حیات ہے۔ اور اگر خدا نے مجھے سکھانے پہ بٹھا دیا ہے۔ میں سکھاؤں میں آپ سے نہ کہوں آج میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تو یہ پکڑ پکڑ کر لانے والی بات نہیں ہے۔ میاں یہ تو تب نصیب ہوتی ہے جب دیوانہ وار کوئی دوڑ کر آئے۔ جن کو پکڑ کر لایا جاتا ہے خالی وہ بھی نہیں رہتے۔ لیکن کچھ حاصل کریں گے اللہ کے احسان سے۔ کچھ عقائد کی اصلاح ہو جائے گی۔ کچھ نمازوں میں اور اس میں کچھ تربیت اور کچھ ربط پیدا ہو جائے گا۔ کسی حد تک گناہ سے رغبت کم ہو گی۔ نفرت پیدا ہو جائے گی۔ کچھ نیکی کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

لیکن حقیقت جسے مقام اور کیفیت کہتے ہیں وہ تب نصیب ہو گی جب آنے والا دیوانہ وار آئے گا۔ جب اُس کے دل میں اتنا جذب ہو گا۔

آپ دیکھیں ایک طرف سے روشنی اب وُہ گیس روشنی دے رہا ہے لیکن سامنے سے اُسے ریفلیکٹ کرنے کے لئے تو شیشہ چاہیئے۔ سامنے تو دیواریں بھی کھڑی ہیں یہ تو نہیں چمک رہیں۔ کسی میں حاصل کرنے کی بھی تو کوئی استعداد پیدا ہو۔ حصول کا بھی تو کوئی سلیقہ آئے۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ہم پر، بہت بڑا انعام ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ میری گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے مجاہدے میں کمی نہ ہونے دیں۔ اذکار کو چھوٹنے نہ دیں۔ معاملات میں راستی پیدا کریں۔ حلال اور سچ کو اختیار کریں۔ نیکی اور تقویٰ اختیار کریں۔ اور اُس کے ساتھ دعوت الی اللہ دوسروں کو بلانے کا۔ دوسروں کو دعوت دینے کا کام جاری رکھیں۔ اور اپنے معمولات اور اپنے اذکار پوری محنت اور پورے مجاہدے سے کریں۔ لطائف کرتے ہوئے جب کسی لطیفے پہ چوٹ پڑے تو واقعی اُسی پہ چوٹ پڑے۔

اللہ کا احسان ہے جتنی جتنی کسی کو توفیق دے دیتا ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں لطائف کیا کرتا تھا تو سینے میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سلاخیں آر پار لگی ہوئی ہیں۔ جُھک کر کوئی چیز اٹھانی ہوتی تو لطائف میں درد ہوتا تھا۔ اس طرح سے جھکنا مشکل ہو جاتا تھا۔ یوں پتہ

لگتا تھا جیسے کوئی سلاخیں ہیں اندر دبی ہوئی۔ اور بڑا عرصہ سردیوں کی راتوں میں ہم صبح چھ بجے نماز پڑھتے تھے۔ تو میں دو سے چھ بجے تک لطائف کیا کرتا تھا۔

سو بھئی بغیر مجاہدے کے خود آدمی کی اپنی اصلاح ہی نہیں ہو پاتی۔ جب تک وہ محنت نہ کرے۔ جب تک وہ مجاہدہ نہ کرے وہ خود اپنی اصلاح نہیں کر سکتا تو میاں اللہ کی عطا اور اللہ کے احسانات تو بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں چاہیئے یہ کہ ہم اپنے دامن کو پھیلائیں بھی بہت زیادہ اور سیدھا بھی رکھیں۔ یہ دو بنیادی باتیں تھیں جو میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ اور یہی ہمیں حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل بھی کرنا ہے۔ اور جو حاصل کیا ہے اُس کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ہم اس نعمت عظمیٰ کو سنبھالیں۔ اپنے سینوں میں جگہ دیں۔ اور آنے والی نسل کو منتقل کر کے جائیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ طاغوتی طاقتیں اور خلافِ اسلام طاقتیں اور کفر کی طاقتیں کتنے زور سے اور کتنی کوشش سے اور کتنی محنت سے اور کتنے سرمائے سے لوگوں کو بگاڑنے پہ لگی ہوئی ہیں۔ تو اُس سب کا مقابلہ حقیقتاً صرف ان دلوں کو کرنا ہے جن دلوں میں روشنی ہے باقی ہر شخص بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دفاع کر رہا ہے اُن کا مقابلہ کر رہا ہے۔ لیکن مؤثر جو ہوگا وہی ہوگا جو صاحب دل حضرات کریں گے۔ آپ دیکھتے ہیں نا کہ ایک شخص اخبار میں بھی دینی مضامین پڑھتا ہے۔ رسائل میں بھی پڑھتا ہے۔ تقریریں بھی سنتا ہے۔ ریڈیو پر بھی، ٹیلیویژن پر بھی، جلسوں میں بھی لیکن اس کا بگڑتا کچھ نہیں۔ جیسا ہے ویسا ہی ہے بدلتا نہیں ہے۔ جب کسی صاحبِ دل کے پاس بیٹھتا ہے خواہ کچھ نہ سُنے کچھ دیر بیٹھنے سے ہی بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی حقیقتاً جو کام مؤثر ہے اور جو حقیقی ہے وہ انہی لوگوں کو کرنا ہے جن کے دل زندہ ہیں باقی حضرات جو اپنی اپنی جگہ کر رہے ہیں اللہ قبول فرمائے بہت اچھا ہے لیکن وہ اتنا مؤثر نہیں ہو سکتا جتنا یہ ہے اور یہ لوگ جو ہیں اپنے معمولات بھی چھوڑ دیں تو دوسروں کی اصلاح کب کریں گے جو غذا اُنہیں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے یہ وہ بھی کھانا چھوڑ دیں تو خیرات کب کریں گے اور دوسروں میں کب بانٹیں گے۔ اور دوسرے ان سے فائدہ حاصل کیسے کریں گے۔

تو میرے بھائی اللہ آپ سب کو توفیق دے اور آپ کی محنت کو قبول فرمائے۔ ترقی درجات عطا فرمائے تو سب حضرات جنہوں نے میری گذارشات سُنی ہیں اُن دوستوں تک بھی پہنچائیں جو یہاں تشریف نہیں لا سکے۔

اور محنت کریں۔ زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں ذکر اذکار کے لئے، اجتماع کے لئے اور مزا تو تب ہے کہ جو بھی آئے فنا فی الرسولؐ ہو جائے تاکہ ہم یہ ثبوت مہیا کریں کہ یہ نعمت ہے ہمارے پاس۔ اللہ کریم آپ سب کو حاضر و غائب تمام کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

چراغِ مصطفویؐ

حافظ عبدُ الرزّاق

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من لا یأمن جارہ بوائقہ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: "حضرت انسؓ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔"

۲ اسلام دین فطرت ہے۔ اس لئے اس نے انسان کی سیرت کی تعمیر اور اسے شرفِ انسانیت کی عظمتوں اور رفعتوں سے آشنا کرنے کے لئے جو اصول، قواعد اور زندگی بسر کرنے کا جو سلیقہ سکھایا اس میں انسان کے ہر فطری داعیہ کی تسکین اور تکمیل کا پہلو لازماً پیشِ نظر رکھا۔ زندگی کے اس طویل عمل کی بنیاد اور کامیابی کا راز اس حقیقت میں مضمر ہے کہ انسان ایک طرف اپنے خالق سے اور دوسری طرف ساری مخلوق سے تعلقات استوار رکھے اور ان میں ایسا توازن اور حفظِ مراتب کا ایسا جذبہ کارفرما ہو کہ ان میں کسی افراط تفریط کا گذر نہ ہو سکے۔ جو جس مقام اور منصب پر ہے اسی کے متناسب اس کے حقوق کی ادائیگی کا جذبہ پایا جائے۔

قرآن کریم نے ان حقوق کی ترتیب میں بھی بالکل انسانی فطرت کا لحاظ رکھا ہے۔ سب سے پہلے خالق کے حقوق کا ذکر فرمایا۔ اس کی اہمیت اس امر سے ظاہر ہے کہ انسان کا وجود میں آنا ہی خالق کی صفت تخلیق کا مرہونِ منت

ہے۔ پھر یہ جسم اور اس کی ساری جسمانی قوتیں اور ذہنی صلاحیتیں اسی کی عطا ہے اور بے مزد عطا۔ لہٰذا اس سے زیادہ حقوق بھلا اور کسی کے کب ہو سکتے ہیں۔

مخلوق میں سب سے پہلے والدین کا ذکر کیا۔ ظاہر ہے کہ اس دار الاسباب میں انسان کے وجود میں آنے کا مادی سبب والدین ہی تو ہوتے ہیں۔ گویا فطرت انسانی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو جتنا قریب ہے اس کے اتنے ہی زیادہ حقوق ہیں۔ یہ قرب کئی قسم کا ہو سکتا ہے اور ہر قسم کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک قرب کی بنیاد خونی اور نسلی رشتہ ہے۔ اس میں قریب ترین والدین ہوئے پھر درجہ بدرجہ سارے رشتہ دار۔

ایک قرب مکانی ہوتا ہے۔ کہ رہائش کے لئے مکان پاس پاس ہوں۔ یہ قرب مکانی بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ رشتہ داری بھی ہو اور ہمسائیگی بھی۔ دوسرا یہ کہ رشتہ داری نہ ہو صرف پڑوس ہو۔ پہلی صورت میں ان حقوق کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔

اس میں پہلی بات یہ ہے کہ ایک تو ہے جنت میں صرف داخلہ۔ خواہ وہ کسی مرحلے پر ہو۔ مثلاً گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد داخلہ ہے جس کے لئے ایمان شرط ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ عدم ادائے حقوق کے مقابلہ میں ادائے حقوق کا پلڑا بھاری ہو۔ اس صورت میں جنت میں داخلہ بہت بڑی سعادت ہوئی۔ اس حدیث پاک میں جو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت اس کے دل میں اتنی بھی نہ رہی کہ وہ اس کے ایمان ہی کو برقرار رکھ سکے۔ یوں لگتا ہے جیسے دل میں اس کی اہمیت نہ ہونا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے جسے مبالغہ کے طور پر ایمان کی نفی سے تعبیر کیا گیا ہو۔ بہرحال یہ معاملہ بہت نازک ہے اس لئے ایمان کی حفاظت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمسایہ کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں داخلہ کے لئے رکاوٹ اس امر کو قرار دیا کہ ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ واقعی یہ صورت انسانیت کی پستی کی انتہائی صورت ہے ہونا تو یہ چاہیئے بلکہ کمال ایمان یہ ہے کہ مسلمان اپنے ہمسایہ کے لیے رحمت ہو۔ اس سے کم درجہ یہ ہے۔ کہ اس کا کچھ سنوار نہیں سکتا تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کا وجود ہمسایہ کے لئے وجہ پریشانی تو نہ ہو۔

اور اس سے کم درجہ وہ ہے جس سے نیچے اور کوئی درجہ نہیں کہ اے مسلمان تو کیا انسان بھی بن سکا کہ تیری ذات ہمسایہ کے لئے مستقل پریشانی اور دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ آدمی جب اتنی پستی تک پہنچ جائے تو اس

کے لئے حضور اکرمؐ کا جنت میں داخلہ کی نفی کا اعلان کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

سب سے بڑھ کر حیرت اس مسلمان پر ہے جو تزکیۂ نفس کے لئے مجاہدے کر رہا ہو اور اس کے معاملات کا حال یہ ہو کہ ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنا رہے ہوں کہ۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ

اس لئے سب مسلمانوں کا بالعموم اور سالک کا بالخصوص فرض یہ ہے کہ اپنی روحانی ترقی کو اس پیمانے سے ناپا کرے جو مزکّیٔ اعظم، محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ۔

مُسلمان

مُسلمان کا بھائی ہے

(حدیثِ نبویؐ)

تزکیۂ نفس

حضرت قبلہ مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

خداوند کریم نے انبیاء و رسلؑ کا سلسلہ جاری فرمایا نبی اور رسولؐ کامل انسان ہوتے ہیں۔ اُن کی تعمیر وہبی طور پر عطائی طور پر اللہ جلّ شانہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے لیئے قابلِ تقلید ہوتے ہیں انسانیت کا معیار ہی نبی اور رسولؐ ہوتے ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکمل ترین انسان ہیں۔ انسان کامل یا وہ انسان جو مشیتِ باری کا مقصود ہے۔ اللہ جلّ شانہ جسطرح چاہتے ہیں کہ اس طرح انسان ہوں اُس طرح کا کامل و اکمل و مکمّل انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انبیاءؑ کا لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دینا اور عملی طور پر لوگوں کے سامنے اپنا نمونہ پیش کرنا احکامِ الٰہی کا لوگوں تک پہنچانا اور ان پر عمل کر کے خود اس کا عملی ثبوت اور عملی نمونہ پیش کرنا یہ بہت کافی تھا

انسانیت کی تعلیم کے لیے۔ لیکن خداوند کریم نے اپنے عموم رحمت کے ساتھ اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنا ذاتی کلام براہ راست کتابوں کی شکل میں نازل فرما کر نبیؐ کے طفیل تمام انسانوں کو اُس سے مشرف فرمایا اور یہ بہت بڑا احسان تھا اللہ کا۔ کہ اُس نے ہر ایک فرد تک اپنے کلام ذاتی کو پہنچایا۔ حالانکہ اُسی کا کلام اُسی کے رسول پہنچا رہے تھے اُسی کے احکام اُسی کے نبیؐ پہنچا رہے تھے اس کے باوجود اپنا ذاتی کلام مرحمت فرمانا انتہا ہے اُس شرف اور کرم کی جو انسانوں کے لئے اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ اب اس سے زیادہ کسی بلند منصب کی امید نہیں رکھی جا سکتی کہ کائنات میں اس سے بڑھ کر درجہ کسی کو ملے کہ اسے اللہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو۔ جتنا بڑا یہ انعام ہے اتنی بڑی یہ آزمائش بھی ہے کہ جس کسی نے اس کی عظمت کو نہ پہچانا اس کی عظمت کا حق ادا نہ کیا۔ اس کا ادب و احترام نہ کیا اور اس کو قبول نہ کیا اتنی ہی زیادہ وہ سزا کا مستحق ہو جائے گا۔ اور قبول کرنے والا انعام کا مستحق ہو جائے گا۔ اس لئے قبول کرنے والے کو مومن اور انکار کرنے والے کو اصطلاح شریعت میں کافر کہتے ہیں۔ کفر کے لئے خداوند عالم نے رحمت کے دروازے بند فرما دیے ہیں۔ اگر کوئی کفر پہ ہی مر جائے اور مرنے سے پہلے اسے توبہ نصیب نہ ہو تو ابد الآباد عذاب الٰہی کی گرفت میں رہے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ جل شانہ کے کلام کی خلاف ورزی کی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جنہوں نے قبول کیا۔ انہیں

اس نے ایک عجیب سبق، ایک عجب درس دیا۔ حالانکہ فلاسفر کہتے ہیں کہ دو ضدیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جمع ضدین محال ہے۔ دو ایسی چیزیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں وہ یک جا نہیں ہوتیں جیسے دن ہو تو رات نہیں ہو سکتی۔ اگر رات موجود ہو تو دن نہیں ہو سکتا روشنی ہو تو اندھیرا نہیں رہ سکتا یا اگر اندھیرا ہے تو روشنی نہیں رہ سکتی۔ ضد ہیں ایک دوسرے کی۔ اس طرح دو ضدیں ایک دوسرے کی جمع نہیں ہو سکتیں۔ لیکن جو تعبیر انسانیت کتب الٰہی نے کی ہے وہ کمال ہی ایسا ہے کہ جمع ضدین کا منظر نظر آتا ہے۔ خداوند کریم نے ان آیات مکرمہ میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ کتب سماوی کا خلاصہ یا نچوڑ ارشاد فرمایا ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى

"تحقیق کامیاب ہوا وہ شخص جو ستھرا ہو گیا"

وہ شخص جیت گیا جس نے تزکیہ کر لیا یا تزکیہ حاصل کر لیا۔ یا تزکیہ کے مقام کو پا لیا۔ یہ لفظ تزکیہ جو ہے اسی کو میں جمع الضدین کی ترکیب سے ظاہر کر رہا ہوں۔ یہ ایک عجیب حالت اور عجیب کیفیت کا نام ہے۔ انسانیت کا تزکیہ یہ ہے کہ تمام کائنات میں وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھے اور وہ کسی کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دے۔ انسان دنیا میں بیشمار ضرورتیں رکھتا ہے۔ بیشمار حاجتیں رکھتا ہے۔ اور مختلف چیزوں کا محتاج ہے۔ اپنی حاجت برآری کے لئے مختلف اداروں کا اور مختلف قوتوں کا

اور مختلف افراد کا محتاج ہے۔ لیکن تزکیہ کیا ہے کہ محتاج کہ محتاج اور ضرورت مند ہونے کے باوجود ساری کائنات کو اپنے جیسا ضرورت مند اور محتاج ہی جانے۔ اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔ کسی دروازے پر امید وابستہ نہ کرے اور کسی کی غلامی کو اس غرض سے قبول نہ کرے کہ یہاں سے مجھے کوئی نفع ہوگا یا میرا کوئی نقصان ہوگا۔ تزکیہ کیا ہے کہ پوری خدائی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا الگ تھلگ اکیلا اور انفرادی حیثیت پہ قائم رکھے۔ اور یہ کتنا مشکل کام ہے کہ اس عالمِ رنگ و بُو میں بسنے والا انسان اس ساری کائنات سے مستغنی ہو یہ بہت مشکل کام ہے۔ پھر اگر یہی اکڑ جو ساری مخلوق کے سامنے اس کے جسم میں پیدا ہو گئی تھی یہ کرّ و فر جو اس کے ذہن میں ساری خدائی کے لئے پیدا ہو گئی تھی اسی کو قائم رکھنا ہوتا پھر بھی آسان تھا اگرچہ پھر بھی بہت مشکل تھا کہ ایک ضرورت مند محتاج بندہ اس کارگاہِ حیات میں زندہ بھی ہو اور ہر ایک چیز کی احتیاج بھی رکھتا ہو۔ اُس کے باوجود ساری کائنات میں کسی کے سامنے جھکنے سے انکار کر دے بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ تب اور مشکل ہو جاتا ہے جب اُسے اسی وقت یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تیرا یہ پہلو مخلوق کے لئے تھا۔ دوسرا پہلو تیرا خالق کے لئے ہے۔ اور جب تو اس طرف متوجہ ہو تو اتنا جھک جا اتنا جھک جا اتنا جھک جا کہ اپنے ہونے اور نہ ہونے کو برابر سمجھ لے۔ اور یہ اس پہلی کیفیت کی بالکل ضد ہے یعنی تزکیہ کیا ہے ایک وقت میں ایک انسان کے اندر یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں کہ مخلوق کے سامنے بالکل نہ جھکے اس لئے کہ وہ بھی مخلوق ہے میں بھی مخلوق ہوں۔ اگر میں محتاج ہوں تو دوسرا کونسا غنی ہے وہ بھی محتاج ہے۔ اور جب خالق کی طرف متوجہ ہو تو اتنا جھکے کہ اپنے کو لاشئ محض جانے۔ اس کو کہیں تعمیرِ خودی کا نام دیا گیا ہے اور کہیں تعمیرِ ذات کا اور کہیں تزکیہ کا۔ اور یہ بڑا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ جس طرح میں نے عرض کیا ہے اگر کسی کو سبقاً یہ یاد کرایا جائے درساً یہ پڑھایا جائے تم ایسے بن جاؤ یہ ناممکن ہے وہ نہیں بن سکتا۔ اُس کے لئے محال ہے تو یاد رکھیں جب اس کا حاصل کرنا ہی تعمیرِ انسانیت کے لئے ضروری ہے تو پھر اس کے حصول کا سبب بھی تو ضرور اللہ نے پیدا فرمایا ہوگا۔ اس کے حصول کا سبب صحبتِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ انبیاء کی ذات مقدسہ میں خدا نے یہ کمال بھی رکھا ہے کہ جو شخص بھی ان پر ایمان لایا اور چند لمحے بھی اُن کی صحبت نصیب ہوئی اس میں یہ کمال بدرجہ اتم پیدا ہو گیا۔ اور اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے قرآن کریم بھی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ
يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

"البتہ تحقیق احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنین پر کیونکہ ان میں اپنا رسول بھیجا جو اُن پر آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ کہ اس سے پہلے البتہ وہ گمراہی میں تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک کمال تو یہ ہے کہ اللہ کی آیات لوگوں کو سکھاتے ہیں لوگوں پہ تلاوت فرماتے ہیں۔ یعنی بندے کو وہ زبان دی ہے کہ وہ اللہ کی آیات کو سیکھتا ہے۔ بیان کرتا ہے۔ پڑھتا ہے جانتا ہے وَیُزَکِّیْھِمْ اور اُن کا تزکیہ کر دیتا ہے۔ یعنی یہ کمالات نبوت میں سے ہے کہ نبی کے قریب جو جائے نبی اُس کا تزکیہ فرما دے اور تزکیہ ہی مقصود انسانیت ہے۔ انسان بنتا ہی تزکیہ کے ساتھ ہے جب تزکیہ ہو جائے تو کیا حاصل ہوتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝

اللہ کی عبادت کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے اور جس کا تزکیہ ہو جائے وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ فَصَلّٰی صلوٰۃ کیا ہے بندگی و اطاعت کا نام ہے۔ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہہ دیا جاتا ہے۔ نماز صلوٰۃ کا ترجمہ نہیں ہے۔ صلوٰۃ کہا اس لئے جاتا ہے نماز کو کہ اس میں کمال اطاعت موجود ہے ورنہ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو محض دعا کرنے کے ہیں۔ ایک تو اسے اللہ کی بندگی کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ اور اس سے پہلے کیا ہوتا ہے۔

وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ۔ اللہ کے نام کا رب کے نام کا ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝ وہ یقیناً کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کر لیا اپنا اور نتیجۃً تزکیہ سے کیا حاصل ہوا۔ ذکر اسم رب اللہ کے ذاتی نام کا ذکر اور اللہ کی اطاعت اور بندگی تو گویا تزکیہ وہ کمال ہے جو صحبت پیامبر سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں اجتماع ہے ضدین کا۔ یعنی مخلوق کے سامنے بالکل نہ جھکے۔ تزکیہ اس کیفیت کا نام ہے کہ پوری مخلوق ساری خدائی کے سامنے بالکل نہ جھکے اس لئے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں۔ اور وہی انسان خالق کے سامنے اتنا جھکے کہ اپنے ہونے یا نہ ہونے کو برابر سمجھے تو اس سے پھل کے طور پر جو سب سے بڑا کمال حاصل ہوتا ہے وہ ہے اللہ کے نام کا ذکر اللہ اللہ اللہ اُسے نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ اُس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی کائنات میں ایک اصول ہے کہ جو جس شے کا پھل ہوتا ہے وہی اُس شے کا تخم بھی ہوتا ہے۔ جس درخت پہ جس بیل پہ جو پھل لگتا ہے وہ درخت یا بیل اسی پھل سے اُگتی بھی ہے۔ اُسی کو اس کا بیج بھی قرار دیا جاتا ہے۔ تو قرآن کریم نے یہ طریقہ بھی ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وہ کہ اے ایماندارو اللہ کا ذکر زیادہ سے

زیادہ کرو" نتیجۃً تزکیہ نصیب ہو جائے گا یعنی تزکیہ ہو گا تو اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہو گی۔ اور اگر اللہ کا ذکر شروع کر دو تو تزکیہ نصیب ہو جائے گا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک دوسرے کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ درخت اور پھل کا ہے۔ یعنی درخت لگاؤ تو یقیناً اگر وہ آباد رہا تر و تازہ رہا کٹ نہ گیا اجڑ نہ گیا تو اس پر پھل آئے گا۔ اور پھل لگاؤ تو یقیناً اُس سے وہی درخت پیدا ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تزکیہ نصیب ہو جائے اور اس کے نصیب ہونے کی صورت یہ ہے کہ اسے پیامبر کی صحبت نصیب ہو جس میں یہ کمال ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ۔

تو گویا اس کمال کے حصول کا یہ طریقہ فوراً اُسے یہ کمال حاصل ہو جائے اس وقت تک تھا جب تک آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اس عالم آب و گل میں جلوہ افروز تھے تب تک کے لئے سب سے آسان نسخہ یہ تھا کہ انسان جائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرے تو اسے انسانیت کا کمال نصیب ہو جائے اس کا تزکیہ بھی ہو جائے گا۔ اسے عبادت کی توفیق بھی ارزاں ہو جائے گی اور اُسے اللہ کا ذکر کرنے کی استعداد بھی نصیب ہو جائے گی اور واقعی یہ تاریخی اعتبار سے بھی عقیدے کے اعتبار سے بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس شخص کو بھی ایمان کی دولت کے ساتھ حضور کی اِک نگاہ نصیب ہو گئی وہ انسانیت کے کمال کو پا گیا۔ کیونکہ انسان جتنی ترقی بھی کرے عند اللہ۔ تو غیر نبی کے لئے سب سے بڑا مقام صحبتِ نبی صحابی کہلانا یا صحابیت کے مرتبے کو پانا ہے۔ تو جو بھی آپ کی بارگاہ میں پہنچا وہ بیک نگاہ صحابی ہو گیا۔ اور تاریخی اعتبار سے اس طرح کہ وہی مورخ جو ان لوگوں کے عیوب اور ان لوگوں کی برائیاں ان لوگوں کی بدکاریاں لکھتے ہوئے اُن کا قلم کانپتا ہے اتنی خوفناک تصویر ہے کہ وہ پیش کرنے سے ڈرتا ہے یہ کمال صحبت ہے کہ عین اسی لمحے اسی مورخ کا قلم بدل جاتا ہے۔ وہ مجبور ہو جاتا ہے ڈاکوؤں کو عادل لکھنے پر۔ چوروں کو نیک لکھنے پر۔ جاہلوں کو فاضل لکھنے پر اور خانہ بدوشوں کو دنیا کا حکمران لکھنے پہ مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ یہ لوگ وہ نہیں رہے۔ یہ خانہ بدوش نہیں ہیں بلکہ جہاں گیر و جہاندار و جہاں بان و جہاں آرا لکھنا پڑتا ہے تو یہ انقلاب کیا تھا کمال صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے ایک آن میں کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔ اور بالکل اُس سوچ اور اس طلب تک لوگوں کی تبدیلی کر دی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو تشریف لے گئے تو صحبتِ پیامبر کا دروازہ بند ہو گیا۔ چونکہ صحبت کے لئے اتحادِ عالم بھی شرط ہے یعنی دونوں ایک عالم میں ہوں انہیں مصاحب کہا جا سکتا ہے۔ تو وہ کمال صحبت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوا۔ جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اتحادِ

عالم بھی حاصل ہوا۔ اس کے بعد صرف اور صرف ایک طریقہ رہ گیا تعمیر انسانیت کا کہ کوئی اللہ کے بندے کی صحبت میں پہنچے۔ یہ اکیلا اور واحد راستہ انسانیت کو پانے کا خدا نے باقی رکھا ہے۔ اور یہ اس کا احسان ہے کہ اُس نے اس راستے پہ چلنے والوں کے لئے ہمیشہ ہر دور میں اپنی زمین پہ ایسے افراد موجود رکھے جو خود اس منزل کے مسافر ہوں اور دوسروں کو اپنے ساتھ لیکر جا سکیں۔ یہ بہت بڑا احسان ہے اللہ کریم کا۔ اتنا بڑا احسان جس کا شکر ادا کرنا انسان سے ممکن نہیں۔

ایسا اہتمام کر دیا رب کریم نے کہ دنیا میں ہمیشہ ہر دور میں اور ہر وقت ایسے لوگ موجود رہتے ہیں اور رہیں گے جو یہ تعلیم، یہ تربیت، یہ فائدہ، یہ نعمت دوسروں تک منتقل کر سکیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیام قیامت کی جو نشانی ارشاد فرمائی ہے وہ یہی ارشاد فرمائی ہے کہ ایسے لوگ دنیا سے اُٹھ جائیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا آباد نہیں رہے گی۔ اُس کے الفاظ ہیں حدیث مبارکہ کے۔

حتیٰ لا یقال اللہ اللہ ط

"حتیٰ کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا" یعنی کوئی بھی انسان دنیا پہ نہ رہے گا جو اللہ کا ذکر کرتا ہو یا جسے شعور ذکر حاصل ہو۔ تو وہ وقت ہو گا جب قیامت قائم ہو جائے گی تو گویا قیام قیامت تک

ایسے لوگ دنیا میں موجود رہیں گے جو نہ صرف اللہ کا ذکر صرف ذکر ہی کرتے ہوں گے بلکہ حقیقتاً ذکر سے آشنا ہوں گے۔ اور اس ذکر سے نتیجۃً تزکیہ نفوس ہوتا رہے گا۔ یہ بھی یاد رکھیں ہر چیز میں ہر فعل میں ہر کام میں نقل موجود ہوتی ہے۔ لاشریک، بے مثل بے مثال ذات اللہ کی ہے لیکن دنیا میں نقلی خداؤں کی بھی کمی نہیں رہی ہے۔ جب جھوٹے اور نقلی خدا مل سکتے ہیں تو پھر جھوٹے یا نقلی نبی بھی ضرور ہوں گے۔ اور تاریخ ایسے لوگوں کے ذکر سے پُر ہے۔ جنہوں نے جھوٹ موٹ دعویٰ نبوت کیا اور لوگوں کو بگاڑا لوگوں کو کفر میں دھکیلا اور تباہ کر کے لے گیا۔ تو جب نبوت نقالوں کی زد سے بالا نہیں رہی تو ولایت میں تو یقیناً بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جو جھوٹ موٹ اس کا دعوای کریں گے۔ اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔ تو پھر اس کا کوئی تو معیار ہونا چاہیئے اور وہ معیار بھی پلٹ کر یہی آیت کریمہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ کہ اگر واقعی کسی خدا والے کی صحبت نصیب ہو کسی اللہ والے سے اللہ اللہ سیکھی جائے تو کیا حاصل ہوتا ہے نتیجۃً تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اور اُس مجلس میں بیٹھ کر اس کے ساتھ ذکر کر کے اگر انسان یہ سمجھے کہ میرے اخلاق سنبھل رہے ہیں۔ میری عادات سنور رہی ہیں۔ میرا مزاج سنور رہا ہے۔ میں دن بدن اپنے وجود میں برائیوں کو کم ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور

نیکیوں کو بڑھتا ہوا پا رہا ہوں تو اسے یقیناً اس شخص کے ساتھ زندگی بھر نبھا کرنا چاہیئے۔ ذکر کا حاصل تزکیہ ہے۔ اور اگر کسی شخص کے ساتھ تعلق بھی قائم رکھے۔ اور اس کے کہنے پہ تسبیحات بھی پڑھے اور ذکر بھی کرے لیکن تعمیرِ اخلاق نہ ہو کردار درست نہ ہو رہا ہو۔ اعمال میں صلاحیت نہ پیدا ہو رہی ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ یہاں حقیقت نہیں ہے کوئی نقل ہے۔ کیونکہ حقیقت ہوتی تو واقعی وہ طبیعت کو متاثر کرتی۔ دوسری بات اور آخری بات یہ عرض کر دوں۔

کہ یہ کیفیت اگرچہ اتنی مضبوط ہے کہ جس دل میں ہو اُسے ساری خدائی بھی اگر اس دل سے ہٹانا چاہے تو نہیں ہٹا سکتی۔ لیکن اگر اُس دل میں اُسی فرد میں کسی بھی لمحے انانیت پیدا ہو جائے تو اس کی ایک ضرب زندگی بھر کے سرمایے کو ضائع کر دیتی ہے اس طرف یہ اتنا نازک ہے اتنا کمزور ثابت ہوتا ہے کہ اگر اُسی دل میں کسی بھی وقت یہ شے پیدا ہو جائے کہ میں بھی کوئی بڑی حیثیت رکھتا ہوں میری بھی کوئی بہت بڑی ہستی ہے۔ تو اُس کے دل سے یہ شے یکسر ختم ہو جاتی ہے اور اس معاملے میں اسقدر احتیاط ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنے محاسن ارشاد فرمائے اور آپؐ کے محاسن کا ارشاد فرمانا عین دین تھا۔ آپؐ کے کمال سے آگاہ ہونا ضرورت ایمان ہے۔ اور آپؐ کے جملہ کمالات پہ ایمان رکھنا ہی تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے اور آپؐ کے کسی بھی کمال کا انکار کفر ہے۔ تو یہ سارے کمالات حضورؐ کے لئے بیان کرنا ضروری تھے تاکہ لوگوں کو علم ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے کیا کیا کمالات عطا کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہر کمال کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی جتنے کمال ارشاد فرمائے۔ فرمایا اللہ نے مجھے یہ کمال بخشا ہے لیکن میں اس پہ فخر نہیں کرتا اور یہ جملہ ایک بار ارشاد نہیں فرمایا بلکہ ہر کمال کے ساتھ علیحدہ ہر بار فرمایا۔ وَلَا فَخْرَ یعنی میں اس پر فخر نہیں کرتا کہ یہ میرا کمال ہے بلکہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور تمہارے علم کے لئے تمہیں بتانے کے لئے تمہیں اس سے واقف کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کمال بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بھی عطا فرمایا یہ بھی عطا فرمایا۔ تو اس بات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا جائے کہ ساری کی ساری عظمت اللہ کے لئے ہے اور مخلوقِ خدا کے سامنے ہر حال میں اور ہر وقت محتاج بھی ہے مجبور بھی ہے اور اُسے سر اُٹھانے کی جرأت بھی نہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

قادری

جنّت کے باسی

شمشیرِ بے نیام

سکندرانہ جلال

مکہ میں کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے ہادیٔ برحق کو گرفتار کر لیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک نوعمر لڑکے نے ننگی تلوار ہاتھ میں لی جذبہ جانثاری سے سرشار مکہ کی گلیوں میں دوڑتا آستانۂ اقدس[1] پر حاضر ہوا۔ دیکھا واقعی کفار نے حضورؐ کے مکان کو گھیر رکھا ہے۔ مجمع کو چیرتا تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوا۔ رسولؐ امین دیکھ کر مسکرائے پوچھا! زبیرؓ یہ کیا؟ عرض کی میں نے سنا کہ آپؐ (خدانخواستہ) گرفتار کر لئے گئے اور میں فوراً گھر سے تلوار لے کر دوڑا آیا۔

فرمایا "مجھے گرفتار کر لیا جاتا تو تم کیا کرتے؟" عرض کی میں اپنی تلوار اس آدمی کو مارتا جس نے آپؐ کو پکڑا ہوتا۔ سرورِ کونینؐ بے حد خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

اہلِ سیر کا بیان ہے یہی وہ پہلی تلوار ہے جو اسلام[2] کی خاطر ایک بچے کے ہاتھوں برہنہ ہوئی۔ (اصابہ تذکرہ زبیرؓ)

یہ حضرت زبیرؓ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی، حضرت صفیہؓ کے بیٹے اور صدیق اکبرؓ کے داماد حضرت اسماءؓ ذات النطاقین کے شوہر تھے۔ بڑے ہی مردِ میدان تھے۔ ماں نے بچپن سے ہی محنت و مشقت کا عادی بنا کر زبردست تربیت کی۔ اس کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا جرأت و بہادری کا پیکر ہو۔ حضرت زبیرؓ ماں کی اس خواہش پر بالکل پورا اُترے۔ بچپن میں ہی بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرتے۔ ایک دفعہ مکہ کے ایک جوان آدمی سے کشتی لڑ رہے تھے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ لوگ اسے اٹھا کر شکایتاً حضرتِ صفیہ کو دکھانے لائے لیکن انہوں نے

---

[1] مکہ میں حضورؐ کا قیام اوپر کی طرف تھا جبکہ حضرت زبیرؓ نچلی جانب رہتے تھے۔

[2] حضرت زبیرؓ کی عمر اس وقت ۱۲ سال تھی (حیاۃ الصحابہ: جلد سوم: ابن عساکر)

معذرت خواہی کی بجائے پوچھا تم لوگوں نے میرے زبیرؓ کو کیسا پایا ـــــ بہادر یا بزدل؟ (ابن سعد)

غزوہ بدر میں جب حضرت زبیرؓ کو دشمنانِ خدا و رسولؐ سے نبٹنے کا موقع ملا تو خوب جوہر دکھلائے۔ جس طرف کا رُخ کرتے دشمن کی صفوں کو تہہ و بالا کرتے جاتے۔ ایک مشرک نے بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت طلب کی۔ حضورؐ نے ایک آدمی کا نام لیا۔ کیا اس کے مقابلے کو جاتے ہو؟ عرض کی حکم ہو تو حاضر ہوں۔ زبیرؓ اوپر اُچکنے لگے۔ سالارِ لشکر کی نظر پڑی تو فرمایا "صفیہؓ کے بیٹے کھڑے ہو جاؤ"۔ حضرت زبیرؓ ٹیلے پر جا چڑھے اور اس سے لپٹ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی گردن پکڑ لی۔ اور ایک دوسرے کو نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا "جو پہلے زمین پر گرے گا وہ مقتول ہو گا"۔ (حضرت اسماء) حضرت زبیرؓ نے مشرک کو ایسا دھکا دیا کہ وہ نیچے تھا اور آپ اوپر۔ اس طرح اپنے مقابل کو کفر کی تاریکیوں سے جہنم کی ظلمتوں میں پہنچا دیا۔ (کنز الاعمال)

بدر ہی میں عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لوہے کے لباس میں غرق مسلمانوں پر حملہ کرنے کو بڑھا۔ آنکھوں کے علاوہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا حضرت زبیرؓ نے نیزے سے وار کیا جو ٹھیک نشانے پر لگا۔ نیزہ آنکھوں سے گذرتا ہوا آر پار ہو گیا جو اُس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نکالا۔ نیزے کا پھل ٹیڑھا ہو گیا۔ فخر النبیینؐ نے بطور یادگار اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ جو پھر منتقل ہوتا ہوا خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور اس کے بعد آپؓ کے بیٹے عبداللہؓ کے پاس پہنچا اور ان کی شہادت تک اُن کے پاس رہا۔

غزوہ بدر ہی تو پہلا موقع تھا جب مسلمانوں کو مشرکین سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ملا۔ اس سے پہلے تو بڑے بڑے جرار اور بہادر مسلمان بھی حکمِ ربانی کے پابند تھے۔ غصّے کے گھونٹ نگل جانے پر مجبور تھے۔ ورنہ کون سا ستم ہے جو بے کس مسلمانوں پر کفار کو ڈھاتے نہ دیکھتے۔ کتے مرجائیں تو مہتران کی ٹانگوں میں رسّی باندھ کر گھسیٹتے ہیں۔ لیکن ان قریشی مہتروں نے تو زندہ انسانوں کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر جیتے جی ان کی چمڑیاں ادھیڑ دیں اور کھالیں کھینچ لیں۔ صبر کے اس امتحان میں پاس ہونے کے بعد آج ہی تو ان مجاہدوں کو ایسے کمینے لوگوں سے نبٹنے کا موقع ہاتھ آیا اس سنہری موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا۔

بدر کے اس معرکے میں حضرت زبیرؓ کی لڑائی کا یہ عالم تھا کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے۔ تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ ایک زخم اتنا گہرا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس میں گڑھا پڑ گیا۔ عروہؓ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ہم ان زخموں میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ (بخاری: غزوہ بدر)

زبیرؓ جس طرف کا رُخ کرتے کفر سہم جاتا۔ ہر کسی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا بھلا اتنی جلدی کون دوزخ میں جانا چاہتا تھا۔ مالکِ لم یزل کو بھی زبیرؓ کی یہ جرأت

ان کی بیباکی اور کفر پر ضرب کاری بڑی ہی پسند آئی کہ فرشتوں کو حضرت زبیرؓ کی طرح کے عماموں کے ساتھ بھیجا میرے آقا نے فرمایا! "آج ملائکہ بھی ایسے ہی عمامے باندھے ہوئے آئے ہیں۔" (کنزالاعمال : جلد II)

عشقِ حبیبِ کبریا ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم

:- از قلم :-

حضرت قبلہ

مولانا محمد اکرم

مدظلہ العالی

آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ساری کائنات کو اور خصوصاً اولادِ آدم علیہ السلام کو اتنا کچھ دیا اتنا کچھ دیا جس کا شمار ممکن نہیں نوعِ انسانیت کو انسانیت ملی، شرف ملا، عظمت ملی سکون ملا، راحت ملی غرضیکہ کوئی نعمت بھی ملی تو اُس کا سبب اللہ جل شانہٗ کا حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ سو آپ کی عنایات کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ منجملہ ایک سمت آپکو متوجہ کرتا ہوں جس کا اشارہ رب العلمین نے یوں فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا۔

اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ
قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ
اِخْوَانًا ط (القرآن الحکیم : پ۴)

ترجمہ:۔ "جس وقت تم تھے آپس میں دشمن پس الفت ڈال دی اللہ نے تمہارے دلوں کے درمیان، پس تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔"

یعنی تم بکھر چکے تھے۔ تم میں نفرتیں ہی نفرتیں تھیں، کدورتیں ہی کدورتیں تھیں، رنجشیں تھیں اور دشمنیاں تھیں۔ حتیٰ کہ حکومتیں تھیں، سلطنتیں تھیں ادارے تھے۔ اور عدالتیں تھیں۔ لیکن اگر نہیں تھی تو آدمی کی آدمی سے دوستی۔ اگر ناپید تھا تو جذبۂ محبت انسان اُنس سے مشتق ہے۔ انس کہتے ہی محبت کو ہیں مانوس ہونے کو کہتے ہیں۔ اور جب اُنس اٹھ جائے تو گویا انسانیت چلی گئی۔ آدمی تو رہا انسان نہ رہا۔ تو فرمایا تم آدمی تو تھے انسان نہیں تھے۔

اور کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اُس وقت روئے زمین پر کتنا ظلم، کتنا جور، کتنی بربریت، کتنی وحشت تھی اور کتنی دردناک حالت تھی اولادِ آدم علیہ السلام

کی حتیٰ کہ خدا نے اُسی حالت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا

(اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً) القرآن

سب ایک دوسرے کے شکاری تھے۔ ایک چھینا جھپٹی کا عالم روئے زمین پر تھا۔ شرق والے غرب والوں سے لڑ رہے تھے، گھروں میں لڑائی تھی شہروں میں لڑائی تھی، ملکوں اور قوموں میں لڑائی تھی ہر انسان اپنا مقصد نکالنے کے لئے دوسرے کا گلا کاٹنے سے نہیں چوکتا تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ظہور ہوا اور ایک انسان نے خدا کے ایک بندے نے اللہ کے پیامبر نے تشریف لا کر ساری خدائی کو محبتوں سے بھر دیا۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ تمہارے اجاڑ بیابان، ویران دلوں میں محبتوں کے پھول کھلے۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ اور تم پل بھر میں دشمنیاں بھول کر ایک دوسرے پر نچھاور ہونے لگے۔ آپ کو یاد ہے ایک لمبا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے خود بارگاہ اقدس میں بیان کیا کہ۔

"میں کہیں غیر حاضر رہا بعد میں میری بچی پیدا ہوئی میرے آنے تک ڈھائی تین سال کی ہو چکی تھی اور پھر اس نے پوری منظر کشی کی کہ کس طرح میں نے اُس معصوم کو زندہ درگور کیا۔ وہ جب بیان کرتے کرتے یہاں پہنچتے ہیں نا کہ جنگل بیابان میں اس کو دفن کرنے کے لئے میں گڑھا کھود رہا تھا۔ اور وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرے کپڑے جھاڑ رہی تھی۔ میری داڑھی سے میرے چہرے سے مٹی جھاڑ رہی تھی۔ تو کون باپ ہے جس کا کلیجہ کانپ نہیں جاتا۔ اور پھر بھی اسے زندہ دفن کر کے ہی چھوڑا"۔

اتنے سخت دل تھے۔ کتنے ویران تھے۔ کتنے اُجڑے ہوئے تھے اُن کے دل۔ اور کتنے سیراب کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کہ اور تو اور انہوں نے معلوم دنیا کے تین حصے فتح کر لیے۔ لیکن کسی دشمن کو ایذا نہیں دی۔ یعنی کتنے ویران دل تھے۔ اور کتنی رونقیں ان کو بخشیں کہ جو فوج بھی بحیثیت فاتح کسی شہر میں کسی ملک میں داخل ہوتی ہے تو قانون یہ ہے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا۔ (القرآن : سورۃ النمل)

"فاتح لشکر جب مفتوحہ شہروں میں داخل ہوتے ہیں تو فساد کرتے ہیں"۔

مفتوحہ علاقوں میں داخل ہوتے ہیں تو تہ وبالا کر کے رکھ دیتے ہیں ہر شے کو۔ اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔ اور کہاں ہیں اسلام پر وحشت و بربریت کا طعنہ کرنے والے ذرا اپنے حکمرانوں کو اپنی فوجوں کو وہاں داخل ہوتا دیکھیں جو علاقے ان کے ہاتھوں فتح ہوئے یہ علاقہ بھی کبھی انگریز نے فتح کیا تھا۔ یورپ نے بھی فتح کیا تھا جو آج ہمیں طعنہ دیتے ہیں۔ کوئی درخت بچا تھا دہلی کا جس سے دس دس لاشیں نہ لٹک رہی ہوں

کوئی گھر بچا تھا اس مُلک کا جو لوٹا نہ گیا ہو۔ کون سا ظلم تھا جو نہ کیا گیا ہو۔

لیکن کتنی محبت بھر دی نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے دلوں میں کہ آپؐ کے غلام روئے زمین پہ بحیثیت فاتح پھیل گئے۔ لیکن یہ فاتحینِ عالم جہاں سے گزرتے ہیں وہ جگہ شاداب ہوتی چلی جاتی ہے دوسرا فاتح لشکر جہاں سے گزرتا ہے ویرانیاں چھوڑتا ہے۔ اور یہ کیسے لشکری ہیں کہ جسے فتح کرتے ہیں اُس کی تیمارداری کر رہے ہیں

میدانِ جنگ سے زخمی دشمن اٹھاتے ہیں تو اپنے سے پہلے اُس کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ اور کتنے عجیب لوگ ہیں۔ جب صحت مند ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تیرے بچے رو رہے ہوں گے گھر چلا جا۔ کہیں تاریخ میں ملتی ہے یہ بات بجز فدایانِ محمد عربیؐ کے۔ کہیں کسی قوم کے تاریخ میں دکھائیے نہیں ملے گی۔

یعنی آپس میں تو مومن، مومن سے جو محبت کرتا ہے کرتا ہی ہے۔ مومن کی محبت تو کافر سے بھی ہے۔ کفر سے نفرت کرتا ہے، گناہ سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن گنہ گار سے پھر محبت کرتا ہے۔

انسان تو انسان رہ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو درختوں کو پتھروں کو، خشک لکڑیوں کو، پہاڑوں کو محبت کے جذبے سے آشنا کر دیا۔ درندوں کو محبّت کرنا سکھا دیا۔

"صحابی بیان کرتے ہیں اپنا واقعہ کہ میں جنگل سے گزر رہا تھا۔ بھوکا شیر کہیں سے لپکا۔ راستے میں آکر کھڑا ہوا تو میں نے دیکھ کر کہا تو بھی جنگل کا شیر تو ہے لیکن میں محمد رسول اللہ کا صحابی ہوں۔ اور راستہ بھول کر جنگل میں بھٹک گیا ہوں تو فرماتے ہیں۔ دُم نیچے کر کے ایک طرف کو چل نکلا۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ تو وہ مجھے شاہراہ تک چھوڑ گیا۔"

افریقہ میں فوجیں اتریں مسلمانوں کی۔ بیابان جنگل تھا۔ لق ودق اور طرح طرح کے درندے اور کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو۔ وہاں پاؤں کوئی نہیں رکھتا تھا۔ امیرِ لشکر نے کہا کہ یہاں قیام کریں گے تو کہا حضرت درندے دم نہیں لینے دیتے۔ تو فرمایا میرے لیے جگہ بناؤ میں بات کرتا ہوں تو دو تین پالان اونٹوں کے ایک دوسرے پر جوڑ دیے گئے وہ اُس پہ کھڑے ہو گئے اور پکار کر کہا۔ "اس جنگل کے درندو ہمیں یہاں قیام کرنا ہے تم یہ جگہ خالی کر دو۔ اور درندوں میں، ہاتھیوں میں شیروں میں، چیتوں میں، سانپوں میں، اژدہوں میں یہ شعور تھا کہ روایات میں یوں ملتا ہے۔ یوں بھاگ رہے تھے جنگل کو چھوڑ کر جیسے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔

یہ جذبے کس نے بانٹے، کس نے جلا دی دلوں کو، کس نے انسانیت بخشی نسلِ آدم کو۔ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ

اور آج کے دورِ حاضر کو آج کے زمانے کو آج کے

وقت کو دیکھو۔ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیے۔ جاپان سے لیکر امریکہ تک اور سائبریا سے لے کر قطب جنوبی تک دیکھو جہاں نام محمدؐ نہیں ہے وہاں سے محبتیں اُٹھ چکی ہیں۔ کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ ہماری نظر تو یورپ پہ لگی ہے۔ ناہم یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ والے بازی لے گئے۔ لیکن وہ بیچارے اتنے تنگ ہیں۔ ایکدوسرے کے ہاتھوں اتنے تنگ ہیں کہ باپ اگر امریکہ کا صدر ہو تو بیٹی ایک ڈوم سے شادی کرلیتی ہے وہ اسے روک نہیں سکتا۔

پڑھی ہوگی آپ نے بھی خبر کہ ریگن نے بھی کہا ہے کاش! میں اپنی بیٹی کو منع کرسکتا۔ یعنی اس سے بھی زیادہ کوئی بے بسی ہے کہ اُس کی بیٹی کو بھی باپ سے باپ کی عزت سے باپ کے مقام سے اس کے منصب سے اس کے مرتبے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ کہ رہے تو رہے اُجڑے تو اُجڑے، بسے یا نہ بسے۔ کتنی دردناک تصویر ہے اُس معاشرے کی۔ اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہاں آوارہ کتوں کی طرح پھرتے ہیں۔ اور چرس پی کر سڑک پر پڑے ہیں اگر انہیں کوئی سانس سکون کا نصیب ہوتا تو ذلت میں کیوں پڑتے۔ نفرتیں ہی نفرتیں ہیں۔ اُن کے گرد۔ اُن کے گھروں میں اُن کے شہروں میں اُن کے ذہنوں میں اُن کے دلوں میں۔

یہ جو آپ کہتے ہیں نا۔ وہاں انسان کی قیمت زیادہ ہے۔ قیمت انسان کی نہیں ہے اپنی ضروریات کی ہے جس کو جس سے غرض ہوتی ہے وہ اس کو اہمیت دیتا ہے۔ غرض کوئی نہیں ہوتی۔ کوئی نہیں دیتا اور محبت غرض کی پوجا کا نام نہیں ہے۔ کہ غرضوں سے طمعوں سے لالچ سے بالاتر پاک اور لطیف جذبہ ہے۔ محبت تو ایثار پہ منتج ہوتی ہے۔ محبت لینے پہ نہیں، دینے پہ ابھارا کرتی ہے۔ اور آپ یورپ سے یہاں چلے آئیں دیکھو اپنے اردگرد کہاں محبت ہے۔ کس کو کس سے محبت ہے۔

میں تو بڑے واضح الفاظ میں کہا کرتا ہوں کہ لوگوں کو اہل اللہ سے بھی محبت نہیں ہے۔ اپنی غرض سے اپنے طمع سے اپنی خواہشات سے محبت ہے۔ یہ اس بات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ فلاں بزرگ کے پاس جاؤ تو دنیاوی خواہش پوری ہوجائیں گی۔ اگر یہ بات ان کے دل سے نکال دو تو یہ جو خدا کے دروازے پہ نہیں جاتے اہل اللہ کے دروازے پہ کب جائیں گے۔ یہ جنہوں نے نبیؐ رحمت کا دروازہ چھوڑ دیا ہے انہیں بزرگوں کے درباروں سے اُن کے مزاروں سے کیا غرض ہے۔ سب غرض کی باتیں ہیں۔ سب لالچ اور طمع کی باتیں ہیں۔ سب خواہشاتِ نفس کی پرستش ہے۔ ارے محبت تو جنہوں نے کی ذرا اُن کو دیکھو۔

اللہ جل شانہ حکم دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کفار نے مظالم توڑنے کی انتہا کردی۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ لوگو! میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ دل ایمان پہ مطمئن رہے۔ دل میرے حبیبؐ

کے ساتھ رہے اور ظلماً اور مجبوراً تمہارے منہ سے کوئی کلمہ کفر نکلوایا جائے تو میں تم سے روٹھوں گا نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ
بِالْاِیْمَانِ ۝ (القرآن : پ ۱۴)

کہ جبراً کسی کو لوہے گرم سے داغ کر گرم ریت پہ لٹا کر سینے پہ پتھر رکھ کر مار اور پیٹ کر کوئی کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر دیا جائے تو خدا کہتا ہے "کہہ گزرو" دل کی نگرانی کرتے رہو۔ دل کو مطمئن رکھو۔ لیکن پوری تاریخ اسلامی میں کوئی ایک صحابیؓ دکھاؤ جس نے کہا ہو۔ خدا نے اجازت دے دی لیکن عشق اور محبت نے زبان پہ بیزاری کا لفظ نہیں آنے دیا۔ کٹ گئے۔ مٹ گئے۔ شہید ہوئے۔ گھر چھوڑے۔ اولادیں ذبح کروائیں۔ اور تو اور۔

ایک صحابیؓ کو دھوکے سے پکڑ کر لے گئے اہل مکہ رسومات کے پابند تھے۔ وہ بھی حرمت والے مہینوں میں مکہ میں قتل نہیں کرتے تھے۔ دو تین مہینے آگئے اکٹھے تو انہیں دو تین مہینے قید تنہائی میں بسر کرنا پڑے۔ وقتی جذباتی ہنگامی طور پر لڑ جانا اور بات ہے۔ اور تین مہینے دشمن کے گھر تاریک کوٹھڑی میں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنا یہ اور بات ہے۔ بڑی سوچیں آتی ہیں۔ بڑے خیالات آتے ہیں۔ بیوی بچے گھر بار بہت کچھ یاد آتا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے ایسے لوگوں کو جنہیں سزائے موت ہوتی ہے میں نے ان کو دیکھا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ دوسرے دن اسے پھانسی پہ لٹکایا جانا تھا تو پچھلے پہر چھوٹے چھوٹے بچے لٹک رہے تھے جنگلے سے اُسے ملنے کے لئے۔ اور وہ لوگوں سے پوچھتا تھا یہ کس کے بچے ہیں۔ یہ میں نے دیکھا ہے۔ اتنی ہیبت ہوتی ہے اس کی کہ بچے "ابو ابو" کرتے تھے لیکن وہ پوچھتا تھا لوگوں سے یہ بچے کس کے ہیں یہ کیوں شور کرتے ہیں۔ کیا اُسے کچھ یاد نہ آیا ہوگا۔ وہ دن بیت گئے۔ اہل مکہ نے سزا کے لئے میدان میں نکالا۔ وہی مکہ جو کبھی مسکن تھا۔ جہاں کبھی کھیلے۔ پڑھے۔ بڑے تھے۔ اپنا گھر تھا۔ اپنا شہر تھا۔ اپنوں کا شہر تھا۔ وہ سارے کا سارا دشمن ہو گیا۔ انسانوں کے سروں کا سمندر ہے اور کوئی نہیں کہ جو حمایت میں بات بھی کرے جرم کیا ہے ؎

بہ جرم عشق کہ بتو بکشند و غوغا ایست
تو نیز برلب بام آکہ خوش تماشا ایست

"صرف تیری محبت کے جرم میں مجھے مقتل میں لائے اور بڑا تماشہ تھا۔ اور تو بھی سامنے آجا بڑا تماشہ ہونے والا ہے"۔

تو کفار نے پوچھا کوئی بات، کوئی تمنا آخری تمہارے دل میں ہو۔ اگر ہماری بس میں ہوئی تو تمہاری بات سنیں گے۔ بھلا کہہ دیتا بیوی بچوں سے ملا لاؤ۔ مجھے گھر جانے دو۔ کہا اگر مناسب سمجھو تو مجھے دو سجدے کر

لینے دو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میری بات سنو تو مجھے دو رکعت نوافل پڑھ لینے دو۔ میرے محبوبؐ نے ہمیں نماز سکھائی ہے۔ مجھے اپنے رب کا شکر ادا کر لینے دو۔ کہ اس نے مجھے بھی یہ مرتبہ بخشا کہ میں حضورؐ کے عشق کے جرم میں سولی دیا جا رہا ہوں۔ اور جب پڑھ چکے تو پوچھا کہ پڑھ لی آپ نے نماز۔ تو فرمایا کہ دل تو چاہتا تھا کہ لمبی رکعتیں پڑھوں۔ اس خیال سے چھوٹی پڑھی ہیں کہ تم یہ نہ جانو کہ موت سے گھبرا گیا۔ سجدے میں ابھی دل چاہتا تھا تسبیحات پڑھنے کو مختصر کر دی ہیں کہ تم نہ یہ سمجھو کہ ابھی اس میں سود و زیاں کا سوال باقی ہے۔

محبت عجب شے ہوتی ہے اور عشق کے جذبات عجیب، دل نہ بھرا اس کا دنیا سے تو جا ہی رہا ہوں۔ اے کاش! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے سلام و دعا ہی ہو جاتے۔ اِدھر اُدھر دیکھا انسان ہی انسان، آدمی ہی آدمی ہیں ہر طرف، لیکن کوئی ایسا نہیں جسے بات کہہ سکیں تو کہا۔

"خدایا تیری تو سب مخلوق ہے ہوا سے کہہ دے میرا سلام میرے حبیب کو پہنچا دے۔ اسی سے "صاحبؒ بردہ" نے لیا ہے نا ؎

اِنْ نَّلْتِ یَا رِیْحَ الصَّبَا یَوْمًا اِلٰی اَرْضِ الْحَرَمِ
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بیٹھے وضو فرما رہے ہیں، وضو کی تیاری میں ہیں تو فرمایا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ خادم نے عرض کی یا رسول اللہ کسی نے سلام نہیں کیا۔ فرمایا نہیں۔ خُبیبؓ نے کہا ہے۔ ہوا لائی ہے۔ یہ لوگ کچھ نہیں تھے۔ ان میں محبت کہاں سے آگئی۔ یہ تو اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنے والے لوگ تھے۔ جابر و قاہر، ظالم و ڈاکو چور۔ لیکن کائنات کی محبتیں ان کے دلوں میں کہاں سے سمٹ آئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینوں کو منور فرمایا۔ دل ہی بدل گئے وہ عالم بدل گیا، وہ لوگ بدل گئے۔ ماحول بدل گیا۔ رُت ہی بدل گئی۔

اور پھر جہاں جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی پہنچتا گیا محبتیں ہی محبتیں بکھرتی چلی گئیں ایک دنیا، ایک گلشن، ایک گلستان بنا دیا۔ اور پھر یہ بھی دیکھ لو زمانے کی طوالت اور انسانوں کی بے نصیبی جہاں جہاں سے آپ کی یاد بھلا دی وہاں پھر نفرتیں اُگ آئیں۔ کدورتیں اُگ آئیں ہیں۔ دشمنیاں بن گئی ہیں ؎

وہ کیا گئے جہاں کی رت ہی بدل گئی
ایک آدمی نے شہر کو ویران کر دیا

لوگو! یاد رکھو اسی محبت کو اصطلاح شریعت میں ایمان کہا گیا ہے۔ یہی ایمان ہے۔ یہی اسلام کی بنیاد ہے۔ اور اسی لئے ارشاد ہوا۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ۔ کہنے کو کہتے رہیں گے لوگ لیکن تم میں

۱؎ امام بوصیریؒ : قصیدہ بردہ شریف - ۱۲

سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکے گا۔ تب تک جب تک آپؐ فرماتے ہیں۔ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کے نزدیک ماں باپ سے اولاد سے جان سے عزیز نہ ہو جاؤں۔ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

کائنات بسیط میں میں اُسے محبوب نہ ہو جاؤں۔ سب کچھ چھوڑ سکے۔ سب کچھ لٹا سکے لیکن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے تو محمد رسول اللہ کا دامن نہ چھوٹے اسی کو ایمان کہا ہے۔

اور اگر تھوڑے تھوڑے دنیاوی منافع کے لئے معمولی معمولی دنیاوی آسائشوں کے لئے تھوڑے تھوڑے لالچ پہ حضورؐ کی نافرمانیاں ہونے لگیں تو ایمان کہاں ہوگا۔ خبر لو۔ لوگو اپنی۔ چند لمحے آپ کے پاس ہیں۔ ہو سکے تو اپنے دلوں کو اس کی بارگاہ میں لے جاؤ۔ اس دنیا میں دلوں کا معمار وہی ہے نفرتیں اور کدورتیں نکال کر محبت اور الفت کو بھرنا اُسی کا کام ہے۔ اُس نے تو دریاؤں، پہاڑوں، درختوں اور سنگریزوں تک کو محبت کرنا سکھا دیا۔

اور یاد رکھو یہ نفرت جلا کر راکھ کر دے گی تمہیں لوگوں سے نہیں اپنے سے نفرت ہو جائے گی دشمنوں سے دوستوں سے نفرت کرو گے۔ ماں باپ اولاد سے نفرت کرو گے۔ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگ جاؤ گے۔ اور نفرت ایسی آگ ہے جو جلاتی تو ہے لیکن دھواں نظر نہیں آتا۔ سلگتا رہتا ہے گیلی لکڑی کی طرح دل۔ دوسرا کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کا دل کیوں چیخ رہا ہے۔

آؤ اپنے آپ کے ساتھ وفا کرو۔ اور اپنے آپ کو نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کر دو۔ ہم کیا ہیں اور ہمارے اختیارات کیا ہیں۔ ہم کیا ہیں اور ہمارے پلے کیا ہے۔ اپنی ذات کو فروخت کر دو حضورؐ کے دروازے پہ بڑی قیمت لگے گی۔ ورنہ اگر یہ نہ کر سکے تو بکنا چاہا بھی تو کوئی نہیں خریدے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو جو چیزیں بانٹی ہیں جو جو عنایات فرمائی ہیں اُن کا حساب انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ انہی میں یہ جذبۂ محبت الفت عشق بھی ہے۔ ہمت کرو۔ سمیٹو خوش نصیب ہو۔ فرصت ہے وقت ہے۔ کیا خبر یہ دل کی دھڑکن کب ساتھ چھوڑ دے۔ اور جو لوگ نفرتوں کو ساتھ لے کر جائیں گے وہ کہیں بھی محبت کو نہیں پا سکیں گے یہاں کے بعد۔ یہیں یہ بازار ہے۔ یہاں سے یہ جنس گرانمایہ مل سکے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اظہارِ تشکر

نوازشے کہ بہ عاصی شدہ چہ گویم
تشکرے کہ ز ہر موئے جسم وجاں گویم

کسے بہ سینۂ من ریخت جامِ عرفاں را
بہ ناتمامیٔ خود باکہ داستاں گویم

ہزار بار درود و ہزار بار سلام
بہ درگہے کہ غلاماں شدہ شہاں گویم

چکید اشکِ ندامت بہ روزگارِ خویش
ولے بایں ہمہ عرضے بہ آستاں گویم

گرفت دستِ من و رحمتے فشاند بہ من
تنعمے ست بہ یاراں مہرباں گویم

بہ ایں زماں کہ نہ باور شد ہر چہ دیدہ نشد
حدیثِ دوست بہ مردم بگو چناں گویم

بہ آں دیارِ نفس گم شود ولے رحمت
گرفتہ ما ز منارہ بہ آستاں گویم

تشکرے بہ اللہ یار مرشدِ کامل
تشکرے بہ فقیرانِ آستاں گویم

تشکرے کہ چوں موسیٰ کسے فشاند آب
بہ تشنہ کہ شدہ روحِ ناتواں گویم

تشکرے کہ ہمہ گو سفندِ تشنہ لباں
چو روحِ من شدہ سیرابِ لب چکاں گویم

ہزار شکر منارہ شدہ است نور بدوش
ہزار شکر بہ سالارِ کارواں گویم

ہزار شکر کہ اوقات زیرِ سایۂ او
بسر شدہ ست و حکایت بدوستاں گویم

سماں ست ہادیٔ بے راہروان بہ تیرہ شبے
بہ نیویارک منارہ ہست ضو فشاں گویم

کرم نہ اکرم اعوان عجیب نیست کہ او
بہ میہماں چہ گرامی ست میزباں گویم

دعائے تا بہ ابد فیضِ درگہِ اکرم
کہ متصف بہ کرم ہا بہ ناتواں گویم

ڈاکٹر محمد عارف

افہام و تفہیم

از قلم

حافظ عبدالرزاق

ایک دوست نے دو (۲) سوال بھجوائے ہیں :-

(۱) آپ کا تعلق اسلام کے کس فرقے سے ہے ۔ کیونکہ آجکل فرقے بغیر کوئی اسلامی تنظیم نہیں ہے ۔ ؟

(۲) جب یہ اسلام پسند فرقے آپس میں متفق اور متحد نہیں ہیں تو پھر یہ اسلامی قانون پہ کیسے متفق ہونگے پہلے آپ یہ فرقے تبلیغ کرکے ختم کیوں نہیں کرواتے ۔ ؟

جواب نمبردار حاضر ہیں :-

(۱) ہمارا تعلق اسلام سے ہے اور چونکہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں اس لئے ہمارا تعلق کسی فرقے سے نہیں ۔

اس سلسلے میں آپ سے ایک سوال ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو دعوت دی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرکے جو معاشرہ وجود میں آیا ۔ اس معاشرے میں کون کونسے اور کتنے فرقے تھے ۔ اگر ان میں فرقہ کوئی نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۔ بس جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں ۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام میں مختلف فقہی مکاتب فکر ضرور ہیں ۔ مگر وہ کیوں ہیں ؟ اس لئے کہ اسلام کا بنیادی حکم یہ ہے کہ ۔

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ

"یعنی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم تمہیں دیں اسے پلّے باندھ لو" ______ یعنی اسلام میں حضور اکرم

کی حیثیت صرف رہنما کی نہیں بلکہ محبوب رہنما کی ہے۔ اور حضور اکرمؐ نے ایک ہی کام مختلف اوقات میں مختلف طریقوں یا صورتوں سے کیا۔ اور یہ بھی فطری امر ہے کہ کسی کو محبوب کی کوئی ادا پسند ہوتی ہے کسی کو کوئی دوسری ادا اس لئے جس کو محبوب کی جو ادا پسند آگئی اُس نے وہی اختیار کر لی۔ دین فطرت کی یہی تو خوبی ہے کہ ہر مزاج اور ہر طبیعت کے لئے یہاں تسکین کا سامان موجود ہے۔ یہی وجہ ہے مختلف فقہی مکاتب فکر کے وجود میں آنے کی بات اس وقت بگڑتی جب فطری اختلاف کو خواہش نفس کے تحت مخالفت اور دشمنی کا ایک بہانہ بنا لیا گیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ یہ فقہی اختلاف محبوبؐ کی ہی مختلف ادائیں ہیں لہٰذا سب حق ہیں۔ اور اس اختلاف میں بھی اتحاد کی روح کارفرما ہے۔ کہ سب محبوب کی اداؤں پہ مرتے ہیں۔

(۲) "اسلام پسند فرقے" کی ترکیب میں دو غلطیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ جس نے اسلام کو بہ حیثیت ضابطہ حیات پسند کر لیا اس نے فرقے کی نفی کر دی۔ فرقہ کہاں رہا؟

دوم یہ کہ جس نے اسلام کو پسند کر لیا اس نے گویا پوری زندگی اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلام سے رہنمائی حاصل کرنا پسند کر لیا۔ مگر یہ عجب اسلام پسند ہیں کہ اسلام پسند بھی کہلاتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی لیتے ہیں۔ ماسکو سے یا واشنگٹن سے یا لندن سے یا اپنے مَن سے تو معلوم ہوا (کہ اسلام پسندی کا دعویٰ کرنے والے دراصل ایک ڈرامہ رچا رہے ہیں اور اس میں اُن کی ایکٹنگ کا ایک رُوپ یہ بھی ہے۔ بس معلوم ہوا کہ اسلام پسند فرقوں کا کوئی وجود نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اسلامی قانون پر متفق کیسے ہوں گے۔ اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ جیسے قرن اوّل میں متفق ہوئے تھے۔ مگر ایک مصیبت اور ہے وہ یہ کہ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے یہ یقین (CONVICTION) چاہیئے کہ اسلام کا قانون مثالی۔ معیاری اور جامع ہے۔ وہ یقین کہاں سے آئے اب نگاہیں کبھی رومن لا کی طرف اٹھتی ہیں کبھی ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی طرف کبھی کارل مارکس کی طرف کبھی سرمایہ دارانہ نظام کی طرف اس پر طُرّہ یہ کہ ان سب کی برتری مسلّم ہے اور اسلامی قانون کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ دوسری مصیبت یہ ہے کہ کفر کو اسلام قرار دے کر اسلامی قانون میں کفر کے پیوند لگانے کی فکر بھی دامنگیر ہے اور اسلام کی فطرت یہ ہے کہ ؎ باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے

شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اسلامی قانون کا نفاذ جس یقین اور جرأت سے کیا گیا اس کی مثال زکوٰۃ کے قانون میں آپ کو نظر نہیں آتی۔ یہ گدایانہ طرز کا قانون کہ جو دے اس کا بھی بھلا اور جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔ کس بات کی غمازی کرتا ہے یہی نا! کہ ایک تو اسلام کی حقانیت پر یقین نہیں دوسرا یہ کہ اسلامی قانون کے ساتھ کفر کا پیوند بھی لگ جائے تاکہ ؎ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

اس لئے آپ مطمئن رہیں کہ متفق ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ نصف صدی تو ٹال مٹول میں گذر گئی اور باقی ٹال مٹول کے سائیٹیفک طریقے ایجاد ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اسلام کا قانون وہ لوگ نافذ کریں گے جنہوں نے اسلام پسندی کا ثبوت الیکشن میں جشنِ آزادی منا کر پیش کیا ہے۔

ہم حسبِ استطاعت تبلیغ کر کے مسلمانوں کی باہمی مخالفت ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر کیا شیطان بے کار بیٹھا ہے اس نے روزِ اول چیلنج کیا تھا کہ میں ہر طرف سے اولادِ آدم پر حملہ کروں گا۔ اور اسے اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ صاف کہہ دیا۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝

سیاسی زبان میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ووٹ" میرے ہی زیادہ ہوں گے۔

پنجاب نوں سدّا

سدّیا اے افغاناں نے اج شیر جوانو آؤ
ساڈے اُتّے اوکھا ویلا آیا اے ہتھ وٹاؤ
رُوسی رچھاں حملہ کیتا چڑھ اسماناں اُتّے
اتوں تھلوں گولے ورسن معصوماں دے اُتّے
مسجداں ڈھاون کوٹھے ڈھاون، ڈھاون باغ بغیچے
کمیّاں نوں سردار بناون سرداراں نوں نیچے
دھرتی اے پنجاب دی گبھرو شیراں دا انگوں گجدے
جس جائی وی جا بیٹھن اے اُس مجلس وچ سجدے
جنگ دا میداں ہووے دشمن ویکھ اینہاں نوں بھجدا
نعرہ اینہاں دا اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار چوفیرے گجدا

سدّیا اے افغاناں نے اج شیر جوانو آؤ!
ساڈے اُتے اوکھا ویلا آیا اے ہتھ وٹاؤ
تھانوں سوں اے پاک نبیؐ دی گھر توں نکل پو وہن
بیلیاں چھڈو جنت دے باغاں دی سیر کروہن
سدّیا اے تھانوں دس پُتراں دی کلّی کلّی ماں نے
جیہڑے کوہ سُٹّے نے روسیاں موذیاں بے رحماں نے
سدّیا اے تھانوں احمد شاہ ابدالی ہوناں آؤ
قوم میری نوں کوہ سُٹیا اے غیرتاں والیو آؤ
میں تھاڈا پنڈا مرہٹاں سکھاں کولوں چھڑایا
دِلّی نوں آزاد کرایا ہنداں نوں تڑپایا
اَج میرے میدان پہاڑاں اُتے رُوسی آئے
بھیج جہنم اوناں نوں تے بہہ جنتاں دے سائے
سدّیا اے افغاناں نے اَج شیر جوانو آؤ!
ساڈے اُتے اوکھا ویلا آیا اے ہتھ وٹاؤ
کی میں تہانوں حال سناواں ویخ کے دی ناں منو
من لیا تے منگولاں نوں رحماں والا سدو
جتھے بُلبُل بولدی سی تے کوئل کُوکُو کردی
کاواں دی آواز وی اُس ویرانے وچ نہ سُردی
میرے پنڈاں شہراں نوں اے اج ویرانہ کیتا
پٹ اٹھیا اے حال نوں اپنے یارو اِک اِک جُھرا
سدّیا اے افغاناں نے اج شیر جوانو آؤ
ساڈے اُتے اوکھا ویلا آیا اے ہتھ وٹاؤ